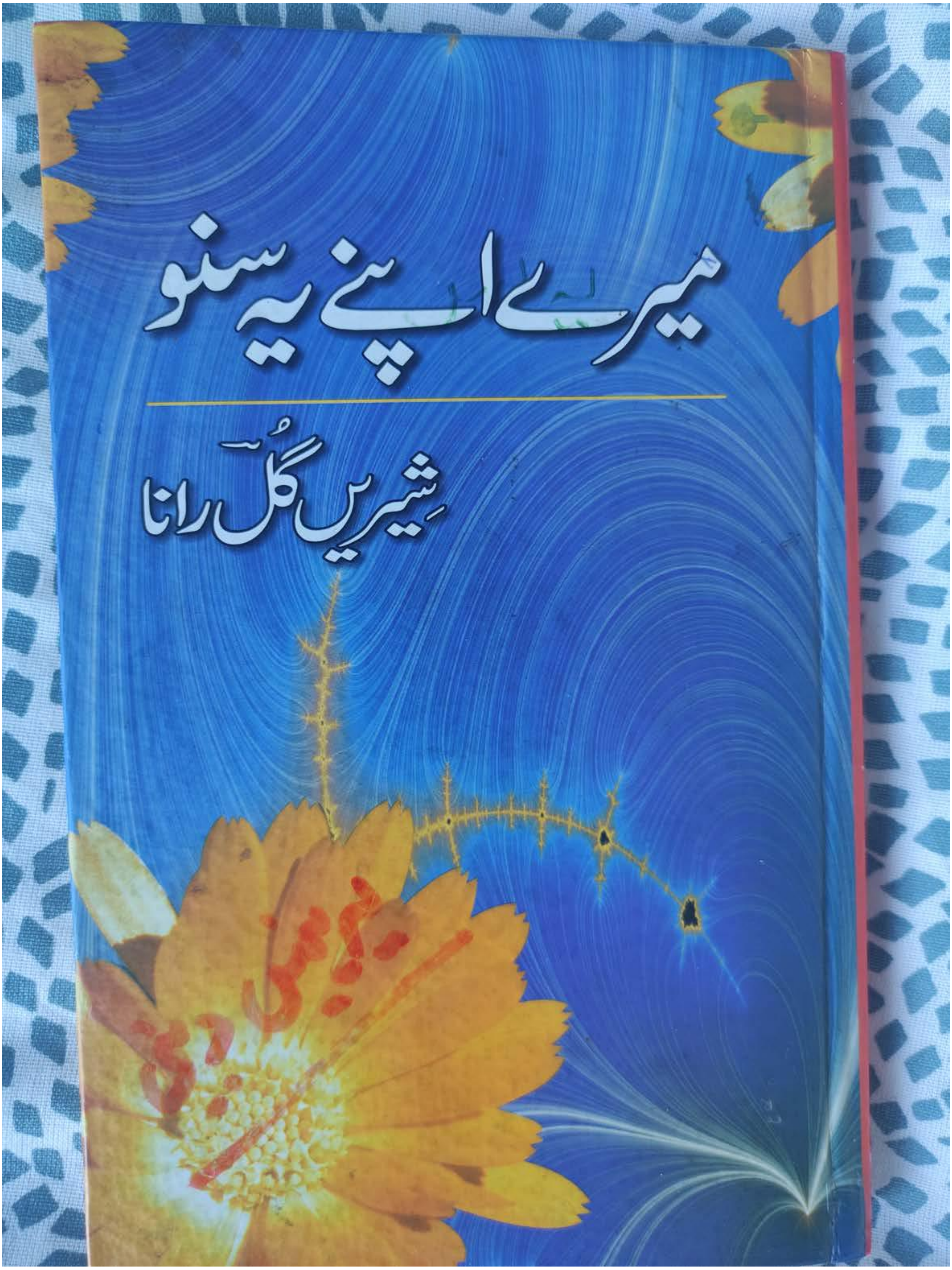
میرے اپنے یہ سنو
شیریں گُل رانا

میرے اپنے یہ سنو

شاعری

شیریں گُل رانا

افضال صاحب

↓

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Meray Apnay Yeh Suno / Shirin Gull Rana.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2009.
203pp.
1. Urdu Literature - Poetry.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی
کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2009
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-2269-9
ISBN-13: 978-969-35-2269-3

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

دکھ کی وراثت کو بھلا کیسے بنائیں

شیریں گل رانا خالصتہً مشرقی اقدار اور تہذیب کی پروردہ ہیں۔ ایک خاص ڈھب کا رکھ رکھاؤ اور شائستہ ماحول کا رچاؤ اُن کی گھٹی میں پڑا ہے۔ شاعری بھی انہیں وراثت میں مِلی ہے اور خون کی طرح رگوں میں رچی بسی ہے۔ اُنہوں نے ذوق وشوق کو پالا ضرور مگر دُنیا داری میں ڈھالا نہیں۔ گھر، بچے اور ذمہ داریاں پہلے پھر شاعری۔ وہ اگرچہ ادبی محفلوں میں نہیں جاتیں، مشاعروں میں شرکت نہیں کرتیں، پر اُن کا شعر سے سمبندھ کھرا ہے اور گلستانِ خیال ہرا بھرا۔ اخبارات ورسائل میں ضرور لکھتی ہیں۔

اُن کا ایک مجموعہ چھپ چکا ہے۔ زیرِ نظر صفحات کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا ہے، اُن کے ہاں سوچ کی گہرائی، فکر کی اساس اور کرب کا احساس بہت نمایاں ہے۔ کرب ذات کا نہیں، اِرد گرد بکھری ہوئی کائنات کا ہے۔ اُن کا لہجہ

نسائی ہے لیکن حیا کی ردا میں لپٹا ہوا۔ اظہار میں بے ساختہ پن ہے، بے باکی نہیں۔ وادیوں میں بہتی ہوئی نرم رو ندی کی سرسراہٹ جیسی اُن کے جذبوں میں جگمگاہٹ ہے۔
کتاب جب صاحبانِ نظر اور اہلِ دل تک پہنچے گی تو بہت پذیرائی پائے گی۔

اظہر جاوید

چند یادیں، چند باتیں

بچپن میں میں نے گھر میں ریڈیو لگے دیکھا اور امی کو اچھی غزلیں لکھتے دیکھا، کبھی کبھار کام کے دوران وہ گنگنا بھی لیتی تھیں۔ امی کو بھی اچھا گانا سننے کا شوق تھا۔ سکول کے مضامین اور لکھائی میں رہنمائی امی سے ملی۔ امی میری اچھی دوست اور اچھی ساتھی و رہنما تھیں۔ حوصلہ افزائی اور آگے بڑھنے کا جذبہ انہی سے ملا۔ ایک ساتھ کئی کام اچھے انداز اور بغیر چڑچڑے پن کے کرنے کی عادت بھی انہی سے سیکھی.... سو سکول کے زمانے سے ہی کئی طرح کے کام کرنے لگی۔ پڑھائی اور کھیلوں میں نمبر ون ہونے کے ساتھ ساتھ کھانے پکانے اور سینے پرونے کے کام میں کافی مہارت آ گئی۔ دوسروں کی اچھی شاعری میں بھی لکھنے اور گانے لگی.... سکول میں اپنا کہا ہوا صرف ایک شعر کہنے کا واقعہ یادوں میں ہے۔ الفاظ یاد نہیں.... ایف۔ اے کے فوراً بعد شادی ہو گئی۔ پڑھنے لکھنے کی تشنگی نہ بجھ سکی۔ دو بچوں کے بعد بی۔ اے پرائیویٹ کیا بی۔ ایڈ ریگولر سکالرشپ سے کیا۔ یہیں نگہت سیما شاعرہ و ادیبہ کے کہنے پر کالج میگزین کے لئے لکھا۔ احمد ندیم قاسمی صاحب اور مظفر وارثی صاحب کے سامنے کالج مشاعرے میں اوّل انعام اپنی پہلی غزل پر جیتا.... پھر تو سلسلہ چل نکلا۔

صورت میں بھی کسی اخبار میں چھپتیں تو بھی کسی میں ...عام طور پر نوائے وقت، مشرق اور جنگ میں لکھتی رہی۔ اخبارِ جہاں اور اخبارِ خواتین میں بھی افسانے چھپتے رہے....

بی۔ایڈ کے بعد ڈی۔ پی۔ ایس جوائن کیا.... یہیں سروس کے دوران ایم۔اے اسلامیات کیا۔ جناب مولوی عبدالواحد نادر القلم سے (کیلی گرافی) اردو خطاطی سیکھی۔ خانہ فرہنگ سے فارسی ڈاکٹر آفتاب پنجاب یونیورسٹی سے سیکھی۔ عبدالرشید بٹ صاحب میرے خطاطی کے دوسرے استاد ہیں جن سے ٹی۔وی پر خطاطی کی باریکیاں بہ مشق سیکھیں۔ اسی وجہ سے ڈی۔ پی۔ ایس میں آج سینکڑوں طالبات میری شاگرد ہیں اور ہمیشہ چوٹی کے انعامات جیت کر لاتی ہیں۔ اگر چہ نہ ان کے لئے الگ پیریڈ ہے نہ میرے لئے ایسے کاموں کے لئے الگ جگہ اور پیریڈ ہے۔ مگر شوق کا دیپ سکول شروع ہونے سے پہلے اور پندرہ منٹ بعد تک چلتا رہتا ہے....

پڑھانے کے ساتھ ساتھ وقت نکال کر خود بھی لکھتی پڑھتی ہوں۔ اوپن یونیورسٹی سے اللسان العربی اور عربی بول چال A+ میں کیا ہے۔ 'دعوۃ اکیڈمی' سے تفسیر قرآن کے دو کورسز اے۔ گریڈ میں پاس کیے ہیں۔ دین سے رابطہ بھی استوار رکھا ہوا ہے۔ دو دینی جرائد 'پہچان' اور 'مومن' میں بھی لکھتی ہوں....

میری پہلی کتاب ۲۰۰۲ اگست میں چھپی جو کہ میری ۲۰ سالہ کاوش کا نتیجہ تھی جو صرف میرے اپنے لئے تھی۔ ۲۰۰۲ میں چھپوانے کا ارادہ کیا تو فروری ۲۰۰۲ میں امی کی ناگہانی موت نے ایسا تازیانہ رسید کیا کہ جو غزلیں سال میں ۵، ۶ سے زیادہ نہ لکھتی تھی وہ ایک دن میں ایک ہی وقت میں سات سات بہنے لگیں..... میں نے انہیں اکٹھا کیا اور خیال تھا کہ ابو کے ہاتھوں کتاب کا افتتاح کرواؤں گی مگر اگست

یتیم.... امیر سے غریب ہوئی..... خود کو سنبھالنے میں بڑا ہی عرصہ لگ گیا... اب ۲۰۰۸ میں پھر دھارا بہنے لگا۔ ا گھنٹے میں تین تین غزلیں، نظمیں لکھ لیتی تھی۔ کتاب میں جولائی کی آخری تاریخوں کی بھی بہت سی غزلیں شامل ہیں۔ خیال تھا ۱۰۰ تک ہو جائیں گی مگر اللہ کے فضل سے تعداد آگے نکل گئی ہے....

ایک مزے کی بات ضرور بتاؤں گی۔ میری زیادہ تر شاعری کچن میں ہوئی ہے۔ روٹی بیلتے ہوئے، ڈوئی چلاتے ہوئے، آٹا گوندھتے ہوئے، برتن دھوتے ہوئے۔ پہلے دماغ میں کچھ آتا ہے۔ توجہ اُدھر کرتی ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ مصرعہ ہے۔ دوڑ کر چاک پکڑتی ہوں اور کچن سلیبز Kitchen Slabs پر لکھتی چلی جاتی ہوں۔ مطمئن ہونے پر اتار لیتی ہوں۔ کبھی کبھی دو تین دن بھی لکھی رہتی ہیں... (بیٹا، بیٹی) فرحان، خوشبو اور کام والی سے کہتی ہوں مٹانا مت.... خیالی دنیا اور فرصت کے لمحات میسر نہیں اور نہ ہی میں زندگی کے قیمتی ماہ و سال اور لمحات کھونا چاہتی ہوں۔ ہر روز سکول جانے کی تیاری، گھر کے کام کاج، کھانا وغیرہ کے علاوہ جب تک کوئی نیا کام نہ کروں چین نہیں آتا.... لگتا ہے آج کچھ رہ گیا ہے۔ وقت ضائع ہو گیا۔

میں اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے وہ دل دیا جو احساس کی لہروں کو قبول کرتا ہے... دماغ دیا جو سوچتا ہے... ہاتھ دیئے جو لکھتے ہیں... زبان دی کہ تیرا نام آگے پہنچاتی ہوں... ساز گار حالات دیئے کہ میں لکھتی ہوں... اور وسائل دیئے کہ میں چھپواتی ہوں۔

میری پہلی کتاب میں اللہ، رسولؐ کی محبت کے علاوہ ذاتی تجربات، واقعات، حالات شامل ہیں جس کا نام ہے "میرے سنگ چلو۔" اب دوسری کتاب حاضرِ خدمت ہے۔ پہلی کتاب کی پذیرائی اور اخبارات میں خوش کن تبصروں نے

پڑھیئے اور دوسروں کو بھی پڑھائیے۔

یہ بھی مجھ پر اللہ کا خصوصی فضل و کرم رہا ہے کہ نامور شعراء نے میری نظموں اور غزلیات کی تصحیح کی جن میں ٹی وی پروڈیوسر حفیظ طاہر صاحب، جناب قتیل شفائی صاحب، حزیں قادری صاحب، منیر نیازی صاحب اور مظفر وارثی صاحب جیسی بڑی ہستیاں شامل ہیں۔

میں اپنے شوہرِ نامدار کرنل (ریٹائرڈ) رانا اکرم، اپنے بچوں رضوان، کامران، فرحان اور خوشبو کے علاوہ ننھے منے پھولوں، اپنی ساتھی، اپنے بہن بھائیوں، اپنی طالبات، اپنی ہیڈز اور اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے والے سب دوستوں کی مشکور ہوں۔ کتاب کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے اور چھاپنے والے خصوصاً 'سنگِ میل' کے جناب افضال احمد و دیگر کرم فرماؤں میں پروفیسر غفار بابر صاحب، جاوید اظہر صاحب، اجمل نیازی صاحب، مسز عمرانہ مشتاق کی مشکور ہوں جنہوں نے آخری مرحلے تک کتاب کو حقیقت کا روپ دینے میں میری مدد کی اور میری شگفتگی برقرار رکھی۔

شیریں گل رانا

●●●●

محترمہ شیریں گل رانا کی کتاب "میرے اپنے یہ سنو" ان کی شاعری کی دوسری کتاب ہے جذبے کا حُسن اُس کی سچائی میں ہے اور ذات کی آگہی کا شعور اذیت ناک ہوتا ہے۔ زندگی میں کوئی لمحہ ان گنت سوچوں کے جزیروں پر کھڑا کر دیتا ہے۔ وُجود کی تعمیر و تخریب یہیں سے شروع ہوئی ہے۔

کچھ بنیادی سوالات حل کرنے میں ہم اپنے طور پر سرگرداں رہتے ہیں۔ محترمہ شیریں گل کی نظم اور غزل کا لہجہ اِس جمع و تفریق کا عکاس ہے جہاں حَرف میں روشنی اُبھرتی ہے اور حدِّ نگاہ تک پھُول کھلنے کا موسم اُن کے انتظار میں ہے۔ وہ ہر طرح سے اپنا دفاع جاری رکھنا چاہتی ہیں۔ یہی فکر اِس شب و روز میں اپنے معنی تلاش کرتی ہے۔

بھرپور دعاؤں اور محبتوں کے ساتھ

سیدہ عظمیٰ گیلانی

●●●●

پاس اپنے خوبصورت طرزِ کلام کیساتھ ہمہ وقت موجود ہیں، میرے احساسات کی
ترجمانی کرتی ہوئی، دلنشینی اور نظرافروزی کا سامان مہیا کرتی ہوئی۔
اپنے نام کی طرح مٹھاس سے بھری ہوئی اور دل میں گھر کرتی ہوئی اس کی
شاعری سے میں نے لمحہ لمحہ یہی احساس کشید کیا ہے.....
شاید غالب نے ایسے ہی کسی موقع پر کہا تھا

میں نے یہ جانا کہ
گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مجھے شیریں کا کلام پڑھ کر کہیں بھی حیرت سے دوچار نہیں ہونا پڑا اسلئے کہ شیریں آج
کی شاعری کے تیز تر اور رواں دواں تخلیق کے عہد میں بھی بہت آہستگی کیساتھ اپنا
تخلیقی سفر کر رہی ہے۔
یہ سفر اسکی ذات کی کئی پرتوں کو کھولتا ہے اسکی شعری جمالیات کیساتھ اسکی
فکری سچائی، محسوسات کی دنیا سے گزرتے ہوئے پوری سچائی کے ساتھ کاغذ پر لفظ
منتقل ہونا آسان کام نہیں۔ لیکن شیریں گل نے یہ آسان کر دکھایا کہ اس نے شعری
اسلوب اور جدّت اور کسی بھی قسم کی نام نہاد نظریاتی تحریک سے بالا ہو کر صرف اپنے
جذبوں اور احساس کو شعروں کی صورت میں ہمارے سامنے رکھا ہے۔
سچے اور کھرے جذبوں کی مالا پرو کر اس نے سادگی و پُرکاری کا ثبوت

شیریں گل محبت کی شاعرہ ہو کر بھی محبت کی شاعرہ نہیں اس لئے کہ شیریں گل کی محبت کا نظریہ آج کے شعری فیشن سے کہیں ماورا ہے۔

وہ محبت کو شاعری کی ضرورت سمجھتی ضرور ہے لیکن اس حد تک کہ جسے ہم غمِ دوراں سے تعبیر کر سکتے ہیں کہ غمِ جاناں بھی کبھی کبھی غمِ دوراں کے جذبے میں ڈھل جاتا ہے۔ غمِ جاناں کے فطری جذبے نے اسے کہیں کہیں سرشار ضرور کیا ہے لیکن "اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا" کہ مصداق اس کے سامنے معاشرتی جبر و استیصال، کشمیری عوام کیساتھ اسکی یک جہتی اور احساس کو کچوکے دیتے ہوئے سامراجی رویے، جن کے وحشت ناک اثر سے وحدتِ انسانی پارا پارا ہو چکی ہے، شیریں گل کا بنیادی فکری ضابطہ ہے۔

اور یہ فکری ضابطہ شیریں گل کی اس مقصدیت کا ترجمان ہے کہ شاعر کو اپنی ذات سے باہر نکل کر کائنات کے اندر پھیلے ہوئے اندھیروں میں اپنے احساس کی لو سے ایک ایسی شمع ضرور جلا دینی چاہئے جو دوسروں کیلئے مشعلِ راہ ہو اور میں سمجھتی ہوں کہ شیریں گل کی شاعری اس حوالے سے پوری طرح ہماری راہنمائی کر رہی ہے۔

میری دعا ہے کہ شیریں گل کے شعری محسوسات کی شیرینی لفظ لفظ پھیلتی جائے اور گل کی خوشبو کی طرح ہمارے احساس کو معطر کرتی رہے۔

پروفیسر ادیبہ و شاعرہ

عمرانہ مشتاق

●●●●

☆

شیریں گل کے پہلے شعری مجموعے کے لئے بھی میں نے چند سطریں لکھی تھیں۔ پہلے اس میں تازگی بہت تھی اب پختگی زیادہ ہے کہ تازگی اور پختگی میں فرق مٹ گیا ہے۔ جس طرح سادگی اور آسودگی میں فرق نہیں ہوتا۔ شیریں گل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مکمل طور پر اور فطری طور پر ایک خاتون شاعرہ ہے۔ میں شاعری میں زنانہ مردانہ ڈبّے کی تفریق نہیں کرتا مگر شاعری کے انبار میں یہ کوشش نہ کرنا پڑے کہ خاتون شاعرہ کون ہے۔ پڑھنے والوں کو شیریں گل کے لئے یہ تکلیف نہ کرنا پڑے گی جس طرح مخلوط اجتماع میں عورتیں مردوں سے مختلف نظر آتی ہیں۔ شیریں گل کی شاعری میں ایسی دلکشی اور معصومیت ہے جو کسی خاص عورت کی پہچان ہوتی ہے۔ وہ ایک خاص شاعرہ ہے نسائی شاعری کی تاریخ میں شیریں گل ایک اہم شاعرہ کی حیثیت سے پہچانی جائے گی۔ وہ ایک گھریلو خاتون ہے۔ پہلے وہ گھر میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد کہیں اور ہوتی ہے۔ شاعرات کے ہجوم میں وہ ایک مانوس انفرادیت کے ساتھ دوسروں سے الگ تھلگ نظر آتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں ایک خاتون شاعرہ کے کلام سے ہمکلام ہو رہا ہوں۔

تیرے ہاتھ میں خنجر ہے
میرے ہاتھ میں تھالی ہے

ڈاکٹر محمد اجمل نیازی

0300-8858476

خوشبوئے سخن

شیریں گل کا دوسرا شعری مجموعہ "میرے اپنے یہ سنو" اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ شعری مجموعہ جہاں اپنی خوشبوئے سخن سے قاری کے دل و دماغ کو مُعطّر کر رہا ہے وہاں احساس و فکر کی روشنی اور تازگی کو بھی پوری طرح برقرار رکھے ہوئے ہے۔

تخلیق خونِ جگر کے متقاضی ہے۔ بقول شاعر

خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اِک مصرعۂ تر کی صورت

اور کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جسم کے خون کا آخری قطرہ تک بھی تخلیقی سفر میں صرف ہوگیا ہے۔ شیریں گُل کا شعری مجموعہ (میرے اپنے یہ سنو) بھی ایک ایسی ہی داستان ہے جو دِل کے لہو سے رقم کی گئی ہے۔ گل نے ایک عورت ہوتے ہوئے بھی ظُلم کے خلاف کھُلا سچ لکھ کر عام لوگوں میں موت کے خوف کی فضا کا طلسم توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اُنہوں نے جو اسلوب سخن اپنایا ہے وہ قابلِ توجہ ہے۔ اُنہوں نے ایک طرف تو روزمرہ زندگی کے تجربات کو بڑی خوبصورتی

دوسری جانب معاشرتی مسائل اور معاشی ناہمواریوں کو بھی خوبصورتی سے اُجاگر کیا ہے۔ایک عورت ہونے کے باوجود انہوں نے ایسے حوصلے اور ہمت سے کام لیا ہے جو مردوں کے لئے بھی قابلِ رشک ہے۔گل نے جس ذہنی اضطراب اور دِلی کرب کو تخلیقی سطح پر اشعار میں منتقل کیا ہے مجھے اُمید ہے کہ ہر پڑھنے والا بھی اُسی سطح پر تاثر قبول کرے گا۔اور یہی ایک سچے اور کھرے فنکار کی کامیابی کا پیمانہ ہے۔

"میرے اپنے یہ سنو" کے مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ شیریں گل رانا کے پاس ایسی بے شمار خوبیاں خداداد صلاحیتوں کے ساتھ موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کِسی کِسی کو عطا کرتا ہے۔مایوس اور دُکھی انسان اگر اُن کی شاعری کو توجہ سے پڑھیں تو اُنہیں اُن کے مسائل کا حل مل جائے گا۔ایسی شاعرہ جو قول و فعل کے رہزنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا ہُنر جانتی ہو۔ہمارے مُلک کا بیش بہا اثاثہ نہیں تو پھر کیا ہے؟

میرے نزدیک تخلیقی سفر ایک جُہدِ مسلسل بھی ہے اور دورِ جاریہ بھی۔اپنے گردو پیش شعلوں کو بھڑکتے اور خون کو لپکتے ہوئے دیکھنے کے باوجود بھی اگر کِسی لکھاری کے محسوسات اس بَند کو توڑ کر غزلوں اور نظموں کی شکل اختیار کریں تو وہ یقیناً پتھر کا ہو کر رہ جائے گا۔لیکن شیریں گل نے اپنے ساتھ ایسا نہیں ہونے دیا۔اُنہوں نے جو کچھ کہا، دیکھ کر محسوس کیا اور اُسے اُسی شدت سے قاری تک پہنچا دیا

ہونٹوں پہ نام آنکھوں میں پہچان کی جھلک
ملتے ہیں لوگ پر وہ حرارت نہیں رہی

لوگوں پہ حیرتوں کے سمندر بہا دیئے
میناد فلک بوس، عمارت نہیں رہی

رسّی تو جل گئی ہے مگر بل نہیں گئے
کچرے کے ڈھیر پر ہے اَمارت نہیں رہی

....

کانوں میں بالیاں ہیں، کڑے ہاتھ میں پڑے
دِکھتے ہیں مرد پر وہ شجاعت نہیں رہی

گزرتے کانٹوں کے جنگل سے ڈر سا لگتا ہے
اُدھڑ گیا میرا دامن تو پھر سِیوں کیسے

لٹکتی لاشیں ہیں، خودسوزیاں ہیں فاقے ہیں
میں گھونٹ صبر کے پی لوں مگر پیوں کیسے

شیریں گل صرف جانی پہچانی زمینوں ہی کو نہیں اپناتیں بلکہ وہ اپنی راہیں خود نکالتی ہیں اور اِن راہوں پر بڑے یقین اور پُرعزم طور پر گامزن ہوتی ہیں۔ گل کے یہاں آج کا دِن، آج کا مسئلہ اور آج کی اذیت بڑی اہم ہے۔ وہ حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھتے ہوئے نہ صرف تازہ موضوعات پر لکھتی ہیں بلکہ خوب سے خوب تر لکھتی ہیں۔ گل ہمارے معاشرے کی ایک ایسی آبرو ہے جسے وقار اور اعلیٰ تہذیب کا سرچشمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہر قسم کے مسائل، حوادثِ زمانہ اور پھر اپنی تڑپتی زندگی کو اُنھوں نے جس طرح لفظوں کا

خیال کو نوک قلم پر توازن سے لانا ہی تو کمال ہے۔ گل ایک ایسا دردمند اور حساس دل رکھتی ہیں جو ہر ناانصافی پر تڑپ اُٹھتا ہے اس شِعری مجموعے کا ایک ایک مصرع اور ایک ایک شعر حساس دِلوں کو رُلانے کے لئے کافی ہے اور فکر کرنے والوں کے لئے لمحۂ فکریہ۔

کیا فائدہ ہے دل میں چھپا رکھنے کا اُلفت
جب تک کہ نہ لِکھی ہو عِبارت نہیں ہوتی

کچھ نعروں کے لگ جانے سے لیڈر نہیں بنتا
سمجھے نہ مسائل تو "قیادت" نہیں ہوتی

جو حاصلِ منزل کی تمنا میں نہ تڑپے
جب تک کہ نہ خُوں سینچے، ریاضت نہیں ہوتی

شیریں کے فقط پیشِ نظر خوفِ خُدا ہے
کہنے میں نہ کرنے میں بناوٹ نہیں ہوتی

....

نقوش ایک سے رنگ ایک سا لہو اک ہے
جُدا ہر ایک ہے، تصویر بھی نہیں ملتی

ہم ایک دِکھتے ہیں لیکن نہ ایک ہوں سوچیں
کہ صرف باتوں سے تو یہ بھی نہیں ملتی

گل کی تخلیق چاندنی کی طرح سحر خیز، غنچوں کی طرح نو خیز اور نشتر کی طرح تیز ہے۔ وہ لفظوں کی بازیگر ہے الفاظ اُن کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں جنہیں وہ اپنی مرضی منشاء کے مطابق استعمال کرتی ہے۔ جہاں اُن کی شاعری میں جدّت طرازی ہے وہیں معصومانہ سا بانکپن بھی ہے۔ گُل کی شاعری میں گئے دنوں کے سہانے زمانوں، سچ سے وابستہ جہانوں اور آئندہ روشن امکانوں کی منور و مُعطر عطر بیزیاں حرفوں کے حجابوں سے جھانکتی ہیں تو گل رُتوں کا سراغ مسافروں کے شب زدہ راستوں میں چراغ جلا دیتا ہے۔ گل نے غمِ جاناں اور غمِ دوراں کی آمیخت کر کے کِشتِ تخلیق میں ایسے گلاب کاشت کرنے کی سعی کی ہے جن کی تاثیر لمحاتی سے زیادہ دوامی ہونے کی داعی ہے۔ بقول "ٹی ایس ایلیٹ" شاعری کا کام یہی ہے کہ وہ تمام عمر کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو اِس طرح ایک لمحے میں سمیٹ لے کہ وقتی اور لمحاتی غم کا اظہار نہ ہو سکے۔" کچھ ایسی ہی سوچ "میکالے" کے ہاں بھی ظاہر ہوئی جب وہ "ملٹن" پر مضمون لکھ رہا تھا تو اُس نے شاعری کو الفاظ کی مصوّری سے تشبیہہ دی جس کے رنگ جاوِداں ہوتے ہیں۔ شیریں گل کی شاعری میں بھی جاودانی حیات کا اثبات شعری عمل کے تسلسل کی صورت میں خواب بُنتا اور خواہش تعمیر کرتا نظر آتا ہے۔ شاعری ہمعصر آگہی کو رواج دینے کی تمنا سے ترتیب پا کر زیست کو بامعنی بنا دینے کا نام ہے جو شاعری کو دوام کا مقام عطا کرتی ہے۔ شرط فقط شعور و اِدراک کی ہے۔ پولینڈ کے ایک ممتاز قلم کار نے کیا خوبصورت بات کہی تھی "نئی شاعری ہوش مند سانسیں جینے سے عبارت ہے۔" اور یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ شیریں گل رانا کے کلام نے اِس عطر بیز عبارت کو بشارت بنانے کی سعی مشکور کی ہے۔

جو میرا فرض نہیں...

محبتوں کو نہ سمجھا کسی نے بوجھ کبھی
جو نام تیرے ہوا تھا مٹا دیا وہ بھی

وہ ایک آئینہ جس میں فقط تھا عکس ترا
ہزار ٹکڑوں کی صورت لُٹا دیا وہ بھی

روایت کے احترام کے ساتھ ساتھ گُل کے شعروں میں نئے میلانات اور جدید تقاضوں کو بھی پورا کرنے کی سعی حاصل کی گئی ہے۔ اُن کی شاعری میں اُن کی ذات کے علاوہ کائنات کے درد اور درماں کی صورتیں بھی اُجاگر ہیں۔ شاعری میں تخلیقی سوچ کا عنصر ایک وجدانی عمل ہے اور وجدان اپنے نفس کی سیر و تفریح کا جمالیاتی نام ہے۔ جمالیات کی پُرکشش تاثیریں جب اپنے معمول پر کمندیں پھینکتی ہیں تو وہ شاعر، موسیقار یا مصوّر بن جاتا ہے۔

شیریں گل اپنی تخیل آفرینی اور جذبات و احساسات کے بل بوتے پر زندگی کے کٹھن مراحل طے کرتی چلی جا رہی ہے اُن کی تخلیقی فعالیت حُسن و جمال کا دلکش انداز سامنے لاتی ہے۔ روحِ عنصر سے مزّین گُل کے شعری مجموعے کی شاعری پیار اور محبت کی جمالیاتی قدروں کا منفرد روپ سامنے لاتی ہے اور یہ ایک ایسا روپ ہے جس کی تاثیر پتھروں کو بھی موم کر دیتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک سنجیدہ فکر شاعرہ کی حیثیت سے شیریں گل نے جس طرح اپنے احساسات اور تاثرات کو شعر و سخن میں ڈھالا ہے وہ اپنے اسلوبِ بیان اور طرزِ ادا کے اعتبار سے منفرد ہیں۔ اس لئے اُن کی شاعری دِل کی گہرائیوں سے نکل کر احساس کے سانچے میں ڈھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ گُل چھوٹی بحر میں بھی بڑی

ساتھ چل دیں تو ساتھ ہوتا ہے
صرف کہنے سے ''ہم'' نہیں ہوتا

شیریں گل کو قدرت نے بچپن ہی سے تخلیقی ذہن ودیعت کر دیا تھا۔ جب لکھنا پڑھنا آیا تو ادب میں دلچسپی بڑھی وہ ایک اسلامی ذہن رکھنے والی شاعرہ ہیں اور اپنے اسی نکتۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے وہ مسلمانوں کو اپنی شاعری کے ذریعے کردار کی بلندی، عملِ پیہم، جدوجہد اور استقلال کا درس دیتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

خُدا کا حکم ہوتا ہے تو اک دن وہ بھی آتا ہے
بُجھے دیپک بھی جل اُٹھتے ہیں اُس کے اک اِشارے سے

خُدا کا حکم ہوتا ہے نہ بھٹکے گا تُو صحرا میں
تو منزل روشنی بن کر چمکتی ہے سِتارے سے

مرے مولا کے اُس محبوب سا کب کوئی دنیا میں
کہ دو ٹکڑے کیا ہے چاند انگلی کے اشارے سے

پرورشِ لوح وقلم میں مصروف شیریں گل ___ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ ___ اپنی دُھن میں مگن، ادب کی بے لوث شاعرہ اپنے اشعار کی ضیا پاشیوں اور اپنے افکار کی گُہر ریزیوں سے جہانِ تازہ کی نوید سُنا رہی ہے۔ جدید اندازِ فکر کو اپناتے ہوئے گُل نے دِلوں کو ولولۂ تازہ عطا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعری شعور کی روشنی، عقل و خرد کی فرمانروائی اور عِلم و بصیرت کی فراوانی کے باعث نُدرت، تنوع اور شگفتگی کی مظہر ہے۔

گُل کی فِکر میں حیاتِ مستعار کے کربِ مُسلسل

سے گہری وابستگی کا اظہار ملتا ہے۔ اور اس بات کا احساس شیریں گل رانا کے شعری مجموعہ "میرے اپنے یہ سنو" کو پڑھ کر شدت سے ہوتا ہے۔

غرضیکہ شیریں گل کا کلامِ شیریں جدت پسندی، تخیل کی بلندی، مضمون آفرینی، تازگی و شگفتگی، سوز و گداز، مقصدیت، سادگی اور زبان و بیان کی دلآویزی کا مرقع ہے۔ خُدا کرے کہ اُن کی یہ "خُوشبوئے سخن" چمنستانِ ادب کو ہمیشہ مہکاتی رہے۔ اپنے دو شعر گُل کی نذر کرتے ہوئے اجازت چاہوں گا۔

خشک ہونٹوں پہ غزل رنگِ تبسّم کی قسم
تشنگی تُو نے بجھائی ہے لبِ جُوئے سخن

اللہ اللہ یہ مہکتے ہوئے شِعروں کا فسوں
پھیلتی جاتی ہے ہر سُو تیری خوشبوئے سخن

پروفیسر غفار بابرؔ
کلیم آباد، بنوں روڈ، ڈاکخانہ شیخ یوسف اڈہ
ڈیرہ اسمٰعیل خان۔
فون نمبر: 0346-7992250
(0966)740048

۱۹ اگست، ۲۰۰۸

حمدِ باری تعالیٰ

میری رگ رگ سے تُو ہی واقف ہے
اے خُدا! تجھ سِوا خلیل ہے کون؟

میں تو حیرت کے گُم ہوں صحرا میں
اے خُدا! تجھ سِوا دلیل ہے کون؟

مجھ پہ لوگوں نے ظلم ڈھائے ہیں
اے خُدا! تجھ سِوا عدیل ہے کون؟

میں پھنسی ہوں بڑی ہی مُشکل میں
اے خُدا تجھ سِوا وکیل ہے کون؟

ں گل رانا کے شعری

کی بلندی، مضمون
یان کی دلآویزی کا
ب کو ہمیشہ مہکاتی

بابر
شیخ یوسف اڈہ

0346-
(0

فانی اِنسان کیوں اکڑتا ہے
اے خُدا! تجھ سِوا جلیل ہے کون؟

گُل کے چاروں طرف مسائل ہیں
اے خُدا! تجھ سِوا کفیل ہے کون؟

●●●●

خدائے بزرگ و برتر کے حضور

دُکھی دلوں کی دُعا کو اُجالتا تُو ہے
ہر ایک شخص کو غم سے نکالتا تُو ہے

••••

جہاں کی نظروں میں جن کی نہیں کوئی قیمت
تو اُن ٹکڑوں کو پتھر میں پالتا تُو ہے

جہاں پہ شعلۂ غیظ و غضب بھڑکتا ہے
تو اُن دِلوں میں محبت کو ڈالتا تُو ہے

کبھی یہ عُقدہ کھلا ہے نہ یہ سمجھ آئی
کہ کِس طرح سے جواں عمر ڈھالتا تُو ہے

ہزار مشکلیں فتنے بلائیں گھیریں گل
تو اُن بلاؤں کو رحمت سے ٹالتا تُو ہے

••••

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

میرے آقا ہو تم میرے مولیٰ ہو تم
مصطفیٰ مصطفیٰ مصطفیٰ مصطفیٰ

میری ہر آرزو میری اُمید تم
مجتبیٰ مجتبیٰ مجتبیٰ مجتبیٰ

میری دنیا بھی تُم دین بھی میرا تُم
مرتضیٰ مرتضیٰ مرتضیٰ مرتضیٰ

میری حسرت بھی تُم میری خواہش بھی تُم
مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ

میرا ارماں بھی تُم میری پہچاں بھی تُم
مجتبیٰ مجتبیٰ مجتبیٰ مجتبیٰ

میرے رہبر تمہی میرے ہادی تمہی
مرتضیٰ مرتضیٰ مرتضیٰ مرتضیٰ

دُعا

خُدا کرے کہ سبھی کو ہوں رفعتیں حاصل
دُعا کرو کہ کوئی وقت سے ہَرا نہ کرے

خُدا کرے مرے پیاروں کو عمرِ خضر مِلے
دُعا کرو کہ کوئی موت سے مرا نہ کرے

خُدا کرے کہ محبت، صبر، تحمل ہو
دُعا کرو کہ کوئی زخم کو ہرا نہ کرے

خُدا کرے نہ رہے کرب اب یہ گُل باقی
کہ کوئی درد سے بھرا نہ کرے

فکر و احساس

سُوکھے پتّوں پر چلے

سُوکھے پتّوں پر چلے تو یہ صدا آنے لگی
کل تلک سوچا یہی تھا جان کیوں جانے لگی

پیٹ بھرنے کو نہ روٹی اور نہ چُولھے میں ہے تیل
ڈھیر سے کچرے کے پھِر جانے وہ کیا کھانے لگی

ہر سیہ شب کی سَحر ہے میری جاں کر لو یقیں
اب دُعا پُوری ہوئی انعام وہ پانے لگی

سبزے کو توڑے ہوئے دم ایک مدّت ہو گئی
اے صبا کیوں موسمِ گُل کی خبر لانے لگی

خُدا کا حُکم

خُدا کا حُکم ہوتا ہے تو اک دن وہ بھی آتا ہے
بجھے دیپک بھی جل اُٹھتے ہیں اُس کے اک اِشارے سے

خُدا کا حکم ہوتا ہے یہ کھیتی ہے نہیں تیری
پڑا خرمن بھی جل اُٹھتا ہے پَل میں اک شرارے سے

خُدا کا حُکم ہوتا ہے نہ بھٹکے گا تُو صحرا میں
تو منزل روشنی بن کر چمکتی ہے سِتارے سے

تڑپ کر بجلیوں نے جب میرے دل کو جلا ڈالا
بدن کچھ اور بھی جلتا رہا ٹھنڈے فوارے سے

مرے مولا کے اُس محبوب سا کب کوئی دنیا میں
کہ دو ٹکڑے کِیا ہے چاند اُنگلی کے اِشارے سے

کہا گُل روٹھ جائے گی کِسی دن تیری دنیا سے
چلی جاؤ کہاں روکا کہا! سر کے اِشارے سے

● ● ● ●

بدر لینا ہے مجھ کو.....

قدم رکھے گئے راہوں پہ جب پیچھے نہیں ہٹنا
یہی سوچو کہ اک ہو اور ٹکڑوں میں نہیں بٹنا

تمہارے رستے میں دیوار بن کے جو پہاڑ آئیں
تو ہیرے کی کنی سے کاٹ دو جس کو کہ ہے کٹنا

ہزاروں دام جو ہم رنگ دنیا نے بچھائے ہیں
نہیں دھوکے میں آتی میں کہ مجھ کو ہے نہیں پٹنا

نہیں ہے ابر کوئی جو سیاہی بن کے چھائے گا
مقدّر کی سکندر ہوں اُسے ہر طور ہے چھٹنا

مجھے تو بدر لینا ہے فلک کو سوچ کر نِکلی
نہیں گُل کا قمر جس کو سمٹ کر ہے کبھی گھٹنا

جو سوچا تھا

(بم دھماکوں کے بعد)

جو سوچا تھا میں نے کہاں ہو گیا ہے
بہت دور ہم سے جہاں ہو گیا ہے

جھلک ایک لمحے کو دیکھی تو تھی
وہ آنکھوں سے لمحہ نہاں ہو گیا ہے

خُوشی کے تھے نغمے خُوشی کی بہار
چمن اب تو نذرِ فغاں ہو گیا ہے

وہ چُپ چُپ فضائیں بُجھے دل ہیں سب کے
کوئی سانحہ سا وہاں ہو گیا ہے

ذرا فاصلے پر بہاریں تھیں رقصاں
پر اب گُل وہاں پر دُھواں ہو گیا ہے

میں سکندر کی طرح آج بھی ہوں خالی ہاتھ

وہ جو دن کے بھی اُجالے میں نہیں ہیں ملتے
وہی راتوں کے اندھیروں میں ہیں آتے جاتے

میں سکندر کی طرح آج بھی ہوں خالی ہاتھ
لوگ دنیا کی طلب میں رہے آتے جاتے

••••

سینے پہ کوئی تمغہ

اپنے ہاتھوں سے نہ چہرے کو چھپائے رکھنا
پھول زُلفوں میں سدا اپنی لگائے رکھنا

میں زمانے کے اندھیروں میں نہ گُم ہو جاؤں
اک دِیا آنکھوں میں ہر دم ہی جلائے رکھنا

دوستوں سے تو نبھانا نہیں کچھ بات بڑی
بات دُشمن کی ہے دُشمن سے بنائے رکھنا

آندھیاں تیز سہی اور مخالِف ہو جہاں
آخری سانس تلک پاؤں جمائے رکھنا

یہ ضروری تو نہیں پیاس بجھے دریا سے
ایک ندیا ہی سہی اُس کو بہائے رکھنا

داغ غم باعثِ حسرت ہیں نہ ذِلت کے نشاں
اپنے سینے پہ کوئی تمغہ سجائے رکھنا

●●●●

اُس کے انداز میں....

اُس کے انداز میں وہ نفرت تھی
اک تکبُّر تھا اور نخوت تھی

پتہ کھڑکا تو دل لرز اُٹھا
ہر طرف سوگ اور وحشت تھی

ہر طرف موت کا تھا سناٹا
جو سُنی میرے دل کی حرکت تھی

کاش مجھ سے وہ پیار سے بولے
دل میں صدیوں سے ایک حسرت تھی

گُل ہمیشہ سے ہی رہی تنہا
گرچہ زندہ دلوں کی کثرت تھی

●●●●

میں کیا بولوں....

میں کیا بولوں نہیں کچھ بولنے کو
پریشاں ہوں نہیں کچھ تولنے کو

ہر اک ہستی یہاں پہ مطمئن ہے
سبھی خوش ہیں نہیں کچھ رولنے کو

سبھی کی گتھیاں سُلجھی ہوئی ہیں
نہیں کچھ آج عُقدہ کھولنے کو

سبھی کی کشتیاں منزل پہ پہنچیں
نہیں ہے کوئی ناؤ ڈولنے کو

....

غم پہ رونا بڑا آسان بہت ہی آسان
غم پہ آنسو نہ بہیں، بات یہی مشکل ہے

جو میرا فرض نہیں تھا

جو میرا فرض نہیں تھا نبھا دیا وہ بھی
جو کوہ تجھ پہ گراں تھا ہٹا دیا وہ بھی

محبتوں کو نہ سمجھا کسی نے بوجھ کبھی
جو نام تیرے ہوا تھا مٹا دیا وہ بھی

وہ ایک آئینہ جس میں فقط تھا عکس ترا
ہزار ٹکڑوں کی صورت کٹا دیا وہ بھی

●●●●

حیران میں ہوں....

میں سوچتی ہوں سفر کِس طرح یہ کم ہو گا
اکیلے چلنا پڑا تو بڑا سِتم ہو گا

تقاضے مہر و محبت کے کب رہے باقی
جو پہلا سنگ گرائے وہی بلم ہو گا

سراب کی طرح چلتی رہی ہوں منزل کو
بڑھا ہی جاتا ہے یہ فاصلہ نہ کم ہو گا

جو تھرتھراتی ہے اُمید کے دیئے کی لو
بجھانا، آخری احساں تیرا صنم ہو گا

یہ اپنے دل سے کِیا عہد وقتِ رخصت بھی
تمہارا نام ہی ہونٹوں پہ گُل قسم ہو گا

زندگی کا درد....

زندگی کا درد ہی اچھا لگا
تیرا لہجہ سرد ہی اچھا لگا

منظروں سے تھی میں اُکتائی ہوئی
اور نہ کوئی مرد ہی اچھا لگا

میرا جیون تھا بگُولوں کا سفر
مجھ کو عکسِ گرد ہی اچھا لگا

زندگی اندر سے جھلسی تھی بہت
مجھ کو موسم سرد ہی اچھا لگا

تازہ گُل سے تھی تمہاری دُشمنی
میرا چہرہ زرد ہی اچھا لگا

●●●●

سُرخی آنکھ میں متن.....

شک کے کانٹے اگر ہوں دور سبھی
بڑا گھائل تیرا بدن ہو گا

زندگی کی جو تجھ کو خواہش ہے
اوڑھنا تجھ کو یہ کفن ہو گا

اپنی منزل کو پانے کی خاطر
کرنا تجھ کو بڑا جتن ہو گا

طے کِیا جس نے بھی سفر پُرخار
پھُول کلیوں کا اک دمن ہو گا

میری آنکھوں کو دیکھ لے ہمدم
سرخی آنکھ میں متن ہو گا

سینچتا ہو گا تجھ کو خوں سے گُل
لہلہاتا ہوا چمن ہو گا

●●●●

ہر سیاہ رات

ہر سیہ رات چاندنی ہوتی
ہاں نہ مہتاب گر گھٹا ہوتا

زندگی میں بھی وسعتیں ہوتیں
ایک پتھر کہیں ہٹا ہوتا

زندگی کتنی سہل ہو جاتی
نقش دل میں نہ گر بنا ہوتا

گُل کے چہرے کا رنگ اک ہوتا
کرب اتنا نہ گر بٹا ہوتا

کبھی ہوتا تھا....

اُسے دانا سمجھتے تھے جو کہتا کم، جو سنتا کم
کبھی ہوتا تھا یہ لیکن، نہیں ہوتا ہے اب اکثر

یہاں تو بھینس اُس کی ہے جو مالک لاٹھیوں کا ہے
اُسے کاٹا نہیں مِلتا ہے جو بوتا ہے اب اکثر

یہاں تو ہیرا پھیری کی چلے ہیں آندھیاں ہر سُو
جہاں محنت دیانت پر یقیں کھوتا ہے اب اکثر

کبھی آوازِ حق کر دی بلند عزمِ صداقت میں
اُسے روندا گیا، رولا گیا، روتا ہے اب اکثر

نہیں ہیں ضابطے اور بے مہار اُونٹوں کی کثرت ہے
نہیں پرواہ ہی راعی کو پڑا سوتا ہے اب اکثر

●●●●

اک درد بن کے رہ گئی....

اک درد بن کے رہ گئی میری زندگی میری زندگی
آنکھوں کے رستے بہہ گئی میری زندگی میری زندگی

خدمت کے بدلے تھی اکڑ ظلم و ستم تھا بے حساب
چُپ چاپ ہی تو سہہ گئی میری زندگی میری زندگی

یہ زندگی میری ہی تھی پر اختیار اُس کا ہی تھا
ہائے کہاں پر رہ گئی میری زندگی میری زندگی

گُل نام تھا میرا کبھی گلشن کی ہم تو جان تھے
روتے ہوئے یہ کہہ گئی میری زندگی میری زندگی

●●●●

پیاز کاٹا.....

پیاز کاٹا تو آنسو بہنے لگے
ہم تجھے روئے اک بہانے سے

آج مارے ہے درد کا طوفاں
دن کہاں کھو گئے سہانے سے

اپنی کوتاہی کو کرو تسلیم
مرتبہ کم نہیں منانے سے

ہر نفس اپنا بوجھ ڈھوئے ہے
غم کہاں بٹتے ہیں سنانے سے

مسکراہٹ

کہاں
زخم مٹتے نہیں یہ مرہم ہے
دکھانے سے

کس قدر غم خوشی میں قُربت ہے
آنسو پلکوں پہ ہیں ہنسانے سے

باقی رہتا ہے زندگی کا حساب
راکھ کب ختم ہے بہانے سے

●●●●

دل کے رستے پہ نگر

دل کے رستے پہ نگر کوئی بساتا کیوں ہے؟
چاہتے جس کو ہیں وہ ہم کو ستاتا کیوں ہے؟

وہ جو اوروں کے پسینے پہ لہو ٹپکائے
اپنے ہی خُوں میں بُری طرح نہاتا کیوں ہے؟

زندگی میں جو بناتا ہے محل خوابوں کے
اپنے ہی ہاتھوں سے مزدور وہ ڈھاتا کیوں ہے؟

جب بھی طوفان اُٹھے کون اُسے روک سکا؟
ریت سے گھر لبِ ساحِل وہ بناتا کیوں ہے؟

اپنا کہنے کے لئے کوئی تو رشتہ بُن لو
جب تعلق ہی نہیں حق وہ جتاتا کیوں ہے؟

....

اُن کو لمحے گنوانے کا غم ہے
ہم تو خود کو گنوا کے بیٹھے ہیں

اُن کو لمحے گنوانے کا غم ہے
ہم تو خود کو گنوا کے بیٹھے ہیں

●●●●

جو بوجھ تجھ پہ لدا

جو بوجھ تجھ پہ لدا ہے وہ کھینچنا ہو گا
جو سنگ تجھ پہ گرے لب کو بھینچنا ہو گا

نہیں ہے سہل کسی باغ کی نگہبانی
جو برگ و بار پھلے خوں سے سینچنا ہو گا

جو گُل نے ٹھان لیا جیتنا ہے اُلفت کو
تو کوڑیوں کے عوض خود کو بیچنا ہو گا

●●●●

کیا ہوا....

کیا ہوا اور کیوں ہوا یہ سوچ ہی طاری رہی
زندگی دِکھنے میں ہلکی پر بڑی بھاری رہی

ہر قدم پر جیت کر میں آگے ہی بڑھتی رہی
ہے عجب سی بات ہاتھوں دل کے میں ہاری رہی

اک طرف طوفان تھا اور بے سکوں سی تھی حیات
جانے وہ کیا نہر تھی جو روح میں جاری رہی

محفلوں میں بھی اکیلے، شور میں خاموشیاں
کہنے کو ہنگامہ برپا، غم کی چنگاری رہی

دوسروں کے غم میں اکثر حوصلہ دیتی رہی
اپنے دل میں غم چھپا تھا جس کی گُل ماری رہی

••••

دل پہ اک چوٹ....

دل پہ اک چوٹ پڑی اور یہ دل ٹوٹ گیا
دامن صبر میرے ہاتھوں سے اب چھوٹ گیا

اک قدم آگے بڑھوں یہ ہی تھا میرا سپنا
ہائے وہ بھی نہ رہا کوئی اُسے لُوٹ گیا

چند ریزے ہیں پڑے اور لہو کے قطرے
دل دھڑکتا تھا کبھی، کوئی اُسے کُوٹ گیا

قدردان کام کے ہیں سارے، یہی سنتے تھے
اب چلن ہوتا ہے کچھ اور، بھانڈا پھُوٹ گیا

●●●●

ہاتھ سے چھوٹ گئے جب پتوار

ہاتھ سے چھوٹ گئے جب پتوار
دل نے گھبرا کے سہارے مانگے

دل کسی طور نہیں لیتا چین
رات کالی میں ستارے مانگے

چشم کو سیر نہ ہوتا آیا
جب سویرا ہو نظارے مانگے

زندگی تیری تھی مانا لیکن
چند لمحے ہی تمہارے مانگے

کی بات کرتے ہو
تم گئے دن آئے ہیں

نہ جانے کون سی شے....

نہ جانے کون سی شے مجھ کو مضطرب رکھے
اُسی کو مرنا ہے آخر جو زہر کو چکھے

کبھی قرار ملے درد یہ نہ تڑپائے
کہیں بھی جا کے رہے تھے نصیب کے دھکے

جو صابرین نے دنیا میں رنج اُٹھائے ہیں
تو اُن کے واسطے ہیں خُلد کے محل پکّے

تمھیں جو پیاس ہے وہ اب کے بجھنے والی ہے
تمھی کو ڈھونڈے ہیں زمزم کے چاہ کے سقّے

جب اتنا تھک گئے اور پاؤں بن گئے چھالے
کِسی نے آ کے کہا آؤ، گُل، چلیں مکّے

●●●●

ساون کا
اشکوں کا

ہستی کے
ہر دن ہی ٹو

ہر روز ہی
یہ چھوٹے

سچ کو میں نے روتے دیکھا

حالاتِ حاضرہ کی تلخی سے متاثر ہو کر لکھی

فصل لگے اور ہاتھ نہ آئے
بیج بدی کا بوتے دیکھا

خودکشیاں اور فاقے دیکھے
اُولُو الامر کو سوتے دیکھا

مال تھا اُس کا محنت اُس کی
جان کے ڈر سے کھوتے دیکھا

بات ہنسی کی کرتے کرتے
سچ کو گُل نے روتے دیکھا

●●●●

ساون کا برسنا....

ساون کا برسنا ساون میں کوئی بات نہیں نئی بات نہیں
اشکوں کا برسنا آنکھوں سے کوئی ایسی خالی رات نہیں

ہستی کے تقاضے پُورے ہوں اور وقت بھی اپنا کٹ جائے
ہر دن ہی ٹُوٹ کے جُڑتی ہوں اِنسان ہوں میں، کوئی دھات نہیں

ہر روز ہی طوفانوں سے لڑوں اور جھنڈے گاڑوں پربت پہ
یہ چھوٹے چھوٹے بھنور ہیں کیا گُل کو جو ہرائے مات، نہیں

●●●●

ڈالیاں کِس خوشی سے

ڈالیاں کِس خوشی سے ہلتی ہیں
گالیاں کھاد بن کے مِلتی ہیں

اپنے پہناوے کا بھرم رکھا
جب بوسیدہ قبائیں سِلتی ہیں

شکریہ! شکریہ بہت ممنون
گُل کے آنگن میں کلیاں کِھلتی ہیں

حیات کر لی ہے میں نے....

حیات کر لی ہے میں نے کہ حکم تیرا تھا
اگرچہ ٹوٹی ہوئی شاخ پر بسیرا تھا

مجھے بتا کہ یہ اولاد دھن مکان ہے کیا
کہ لوگ میرا کہیں پر کہاں یہ میرا تھا

بے اختیار سا بندہ، نہیں ہے میرا زور
زمین تیری فلک تیرا حُکم تیرا تھا

●●●●

دل کے صحرا....

دل کے صحرا کا کسی طور نہ رستہ پاؤں
ڈھونڈتے ڈھونڈتے منزل نہ کہیں مر جاؤں

کھانے پینے کی تمنا نہیں باقی اب تو
اشکوں سے پیاس بجھے اور کبھی غم کھاؤں

میں مقدّر کو بدلنے پہ نہیں ہوں قادر
جس میں خُوشیاں ہوں وہ تقدیر کہاں سے لاؤں

خود کو مصروف رکھوں تا کہ میں بھُولوں خود کو
چین ملتا ہے جہاں پَل کو ہی میں ہو آؤں

●●●●

قطعہ

دُھول چہرے پہ پڑی راہ میں چلتے چلتے
منزل آئی تھی نظر آنکھ کو مَلتے مَلتے
روشنی کی جو کِرن دیکھی تو جھونکا آیا
اور ہم بُجھ سے گئے صدیوں سے جلتے جلتے

••••

اِنسان کی شان....

اِنسان کی یہ شان ہے ہمت نہ وہ ہارے
جو رحم کریں خود پہ بچارے نہیں ہوتے

بیساکھیاں پکڑا کے محبت ہیں جتاتے
چھینیں جو انا وہ تو سہارے نہیں ہوتے

سمجھوتہ نہیں کرتے ستارے تو زمیں سے
اُگتے ہیں جو دھرتی پہ ستارے نہیں ہوتے

اک جان دو قالب تو کہا یُوں نہیں جاتا
گل آتے ہیں دوڑے وہ پکارے نہیں جاتے

••••

پانیوں کو جو....

بے نظیر کی وفات کے بعد

پانیوں کو جو چیرتی تھیں کل
یہی افسوس! کشتیاں نہ رہیں

رونقیں محوِ رقص تھیں کل تک
آج کیونکر وہ بستیاں نہ رہیں

ہم سے جو پیار کرنے والی تھیں
اب جہاں میں وہ ہستیاں نہ رہیں

فکر، غم، سوچ اب تو چھائی ہے
بچپنے کی وہ مستیاں نہ رہیں

جو چمکتے ہیں فلک پر....

خواہشِ دل نہیں رُکتی ہے کِسی بھی جانب
جو چمکتے ہیں فلک پر وہ ستارے مانگے

کوہ تک پہنچے کبھی اور کبھی وادی میں
کھو گئے ہیں جو کبھی دل وہ نظارے مانگے

جگ ہنسائی ہو یا پھر اُچھلے کِسی کی پگڑی
دنیا ہنسنے کے لیے قصّے کرارے مانگے

خاکی وردی ہی پہننے کا حکم جب آیا
ہم نے تِتلی کی طرح رنگ نیارے مانگے

اپنی جھولی کو پھیلا کر تیری خوشیاں مانگیں
ایک تُو واسطے میرے ہے شرارے مانگے

....

گِرا کر فرش پر سگریٹ کا ٹکڑا پھر کچل ڈالا
تمہارا حال ایسا ہی کروں گا دیکھتے رہنا

●●●●

لدا ہوا ہے....

لدا ہوا ہے جو اک بوجھ بڑھتا جاتا ہے
جو پُرسکون تھا دریا وہ چڑھتا جاتا ہے

میں اِس اُمید پہ یہ دن بِتائے جاتی ہوں
کہ وقت رُکتا نہیں بلکہ کٹتا جاتا ہے

دوپہر شام بنی شام سے سویرا ہے
اندھیرا آخر اندھیرا ہے چھٹتا جاتا ہے

کہاں تلک بھلا تنہا یہ بوجھ ڈھوئے گا
اگر تو بانٹے گا تو بوجھ بٹتا جاتا ہے

کبھی گُلاب کی مانند جو کِھلا تھا گُل
وہ لُو کے سخت تھپیڑوں سے سڑتا جاتا ہے

●●●●

کچھ اُمیدیں....

کچھ اُمیدیں ہیں تھوڑے سپنے ہیں
کچھ پرائے ہیں تھوڑے اپنے ہیں

ڈالیوں پر لگے ثمر ہیں ہرے
پکنے کو رات دن بھی تپنے ہیں

مُشکلوں سے حیات گُندھتی ہے
گو پراٹھے ابھی تو پکنے ہیں

کس قدر راگِ زندگی ہے دقیق
سُر نہ آئے، ابھی تو جپنے ہیں

کیسی ہو گی حیات بعد از موت
یہ تماشے ابھی تو تکنے ہیں

●●●●

مُسکراہٹ ہے سجی

مُسکراہٹ ہے سجی پاؤں میں چھالے ہیں پڑے
ایسے ہی لوگ ہیں جن کا ہے اَلم سے رشتہ

جن کے جانے کے تصوُّر سے نِکل جائے جاں
ایسے ہی لوگوں سے ہے کوئی جنم سے رشتہ

جن کے دل جُھکتے ہیں محبوب کی چوکھٹ سے پرے
ایسے ہی لوگوں کا ہے کوئی صنم سے رشتہ

وہ جو لفظوں کے لئے سر کو ہیں کٹوائے ہوئے
ایسے ہی لوگوں کا ہے کوئی قسم سے رشتہ

وہ جو سجدوں کی حقیقت سے ہیں دل سے واقف
ایسے ہی لوگوں کا ہے کوئی بلم سے رشتہ

زندگی کے الاؤ

مہنگائی کے بعد

دولتوں سے جو وزن بڑھنے لگا
اب پرانی شناختیں نہ رہیں

زندگی کے الاؤ دہکتے ہیں
کل ملی تھیں جو راحتیں نہ رہیں

نفسا نفسی ہے غرض کی آندھی
کل جو اپنی تھیں چاہتیں نہ رہیں

زندگی کا جو بوجھ ڈھونے لگا
ننھے قدموں کی آہٹیں نہ رہیں

کل تلک کھانوں پہ ملن ہوتے
مہنگی اشیاء ہیں دعوتیں نہ رہیں

●●●●

کون سا ہے سِتم....

بے بس اِنسان کی ترجمانی

کون سا ہے سِتم نہیں ہوتا
تھک گیا ہوں کہ اب نہیں روتا

سب زمینیں ہیں تر پسینے سے
کھیت ایسے تو ہے نہیں جُوتا

وقت کے ساتھ قدریں بدلی ہیں
غم کو آنسو بھی اب نہیں دھوتا

نیند میں بھی ہیں جاگتی آنکھیں
میچ کر آنکھیں اب نہیں سوتا

جِس سے کھِل اُٹھے نیکیوں کا گُل
بیج ایسا کوئی نہیں بوتا

••••

میں سوچ رہی ہوں....

میں سوچ رہی ہوں دنیا میں کیا کھویا تھا کیا پایا ہے
ہر ایک کے دل میں سوچ یہی جو آیا تھا جو آیا ہے

یہ دولت کا جو چکر ہے ہر ایک اُسی کے چکر میں
سب پر بھاری جو دِکھتی ہے وہ موہ مایہ تھی مایا ہے

خوشیاں، راحت، ٹھنڈی چھاؤں پل بھر تھیں پل بھر میں نہیں
بَس ایک دُعا ہی ایسی ہے جو سایہ تھی جو سایہ ہے

یہ شان تجوری یہ دولت، یہ تیری نہیں اوروں کی ہے
تیری قسمت میں اتنا تھا بس، جو کھایا تھا جو کھایا ہے

وہ خوش قسمت ہے جِس کو ملا جِس نے جِس کو چاہا تھا
اِس نعمت کا نہیں میل کوئی، من بھایا تھا من بھایا ہے

••••

پھیکے تمام لفظ....

پھیکے ہیں سارے لفظ حلاوت نہیں رہی
اب ہم میں بات کرنے کی طاقت نہیں رہی

ہونٹوں پہ نام آنکھوں میں پہچان کی جھلک
ملتے ہیں لوگ پر وہ حرارت نہیں رہی

اسلاف کے ہیں قصے جو ازبر اُنہیں تو کیا
شجرہ نسب تو ہے پہ شرافت نہیں رہی

لوگوں پہ حیرتوں کے سمندر بہا دیئے
مینار فلک بوس، عمارت نہیں رہی

رسّی تو جل گئی ہے مگر بل نہیں گئے
کچرے کے ڈھیر پر ہے اَمارت نہیں رہی

مونچھوں پہ بالیاں ہیں، کڑے ہاتھ میں پڑے
دِکھتے ہیں مرد پر وہ شجاعت نہیں رہی

کہتے ہیں پیار، جنگ میں سب کچھ روا ہوا
تھے کچھ اصول ایسی عداوت نہیں رہی

●●●●

کانٹوں کا جنگل

گرانی کے بعد

گزرتے کانٹوں کے جنگل سے ڈر سا لگتا ہے
اُدھڑ گیا میرا دامن تو پھر سیوں کیسے؟

•••

یہ قیمتیں بڑھی جاتی ہیں جانیں گھٹتی ہیں
خراب ایسا ہوا حال پھر تو، کیوں کیسے؟

میں تیل، آٹے و بجلی کو چھوڑ دوں کیونکر؟
بتاؤ اِن کے بِنا میں بھلا، جیوں کیسے؟

لٹکتی لاشیں ہیں، خودسوزیاں ہیں، فاقے ہیں
میں گھونٹ صبر کے پی لوں مگر پیوں کیسے؟

••••

ہزاروں خواہشیں ایسی......

مصرعہ طرح کے ساتھ

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
ہمیں جس دل میں آنا تھا اُسی دل سے تھے ہم نکلے

بہت بھولے وہ دِکھتے تھے، بہت خاموش رہتے تھے
ذرا چھیڑا اُنھیں ہم نے قسم سے وہ تو بم نکلے

تیرے دل کی کدورت بہہ ہی جائے گی یقیں سا تھا
سمندر کی طرح بہتے تھے جو آنسو وہ کم نکلے

بہت اغیار نے چالیں چلیں ہم کو ڈبونے کی
مگر لہروں کے سینے پر پلے، طوفاں سے ہم نکلے

ہمیشہ جن کے ہونٹوں پر بڑی مسکان رہتی تھی
شکستہ دل لئے ہاتھوں میں وہ با چشمِ نم نکلے

گھٹاؤں نے میرے دل کو چھُپا ڈالا کُھر بن کے
کہ اک پتھر بنا تھا دِل نہ اشکوں سے وہ غم نکلے

چٹانیں توڑ کر جو فتح کر لیتے تھے منزل کو
جو قسمت کے سکندر تھے وہ دنیا میں تو کم نکلے

●●●●

کہاں پہ لِکھا ہے.....؟

کہاں پہ لکھا ہے ہر سپنا تیرا سچ ہو گا
بہت سے خوابوں کو تعبیر بھی نہیں مِلتی

نقوش ایک سے رنگ ایک سا لہو اک ہے
جدا ہر ایک سے، تصویر بھی نہیں مِلتی

عمل پہ میرے اگر خُلد لِکھ دیا جائے
ہے استدعا کہ یہ تنویر بھی نہیں مِلتی

ہم ایک دِکھتے ہیں لیکن نہ ایک ہوں سوچیں
کہ صرف باتوں سے تقدیر بھی نہیں مِلتی

جو بے گناہی کا ہونا تھا اک ثبوت مگر
میں ڈھونڈتی ہوں وہ تحریر بھی نہیں مِلتی

تمام کام میرے چاہوں جیسے ہو جائیں
میں کیا کروں مجھے تدبیر بھی نہیں مِلتی

●●●●

کاش پہلے....

کاش پہلے ہی مر گئی ہوتی
اِس جہاں سے گزر گئی ہوتی

مُشکلیں دیکھتی نہ دنیا کی
کُوچ دنیا سے کر گئی ہوتی

اُس کی رحمت نہ ساتھ ہوتی گر
زندگی سے میں ہر گئی ہوتی

بھُولنے میں بھی ہے کرم اُس کا
ورنہ غم سے میں بھر گئی ہوتی

••••

کیا فائدہ ہے.....؟

کیا فائدہ ہے دل میں چھپا رکھنے کا اُلفت
جب تک کہ نہ لِکھی ہو عِبارت نہیں ہوتی

اِس سر کے جھُکانے میں اگر دل نہ ہو شامل
مرضی نہ ہو جِس میں تو اجازت نہیں ہوتی

کچھ نعروں کے لگ جانے سے لیڈر نہیں بنتا
سمجھے نہ مسائل تو قیادت نہیں ہوتی

سجدوں سے نہ قعدوں سے نمازیں نہیں ہوتیں

جو حاصلِ منزل کی تمنا میں نہ تڑپے
جب تک کہ نہ خُوں سینچے، ریاضت نہیں ہوتی

جِسموں میں بنی گردشِ خُوں زندہ علامت
دنیا سے جو اُٹھتا ہے حرارت نہیں ہوتی

ہنسنے کو اُڑا دیتے ہیں لوگوں کا تمسخُر
تکلیف ہو جِس میں وہ شرارت نہیں ہوتی

جِس کام کے کرنے میں ہو رسوائی سراسر
روکے جو غلط سے تو عداوت نہیں ہوتی

بارش میں اگر مہر بھی دِکھ جاتا ہے اے گُل
اُس کی بھی تو کِرنوں میں تمازت نہیں ہوتی

●●●●

ہنسوں کی چال

یہ نسل ہے اسلاف کی تہذیب سے عاری
تھے شیوۂ اسلاف، قرینے نہیں رہے

معمولی عِلم کو لِئے عالم کئی تو ہیں
عِلم و عمل کے تھے جو خزینے نہیں رہے

حقداروں کو جو مِلتے تھے کھانے کے واسطے
افسوس! اب تو وہ بھی روزینے نہیں رہے

ہنسوں کی چال والے مسلماں تو ہیں بہت
دیں کو چمک جو دیں وہ نگینے نہیں رہے

●●●●

سب کچھ بڑا ہے واضح .....

سب کچھ بڑا ہے واضح نظر آ رہا ہمیں
اب دھندلے آئینوں کی سی حالت نہیں رہی

بڑھتی ہے جب بھی عمر بدلتے ہیں راستے
بہتی ندی کے شور سی چاہت نہیں رہی

اَب زندگی کے راز تقاضوں میں ڈھل گئے
پیڑوں تلے بسیروں کی راحت نہیں رہی

جذبات سے الگ ہوا دل بن گیا مشین
اب دل کو ٹوٹنے کی وہ عادت نہیں رہی

ہم کو خُدا نے اتنا غنی کر دیا ہے گُل
اب تجھ سے مانگنے کی بھی حاجت نہیں رہی

●●●●

بات مت کرنا.....

بجلیاں جو گریں ہیں دل پہ میرے
آسمانوں کی بات مت کرنا

تنکوں کی ذات محترم ہے مگر
آشیانوں کی بات مت کرنا

در بدر پھرنا ہے اگر ہم کو
آستانوں کی بات مت کرنا

پر بھی تتلی کے نوچ ڈالے ہیں

کس قدر ظلم ہے رَوا ہر سُو
پر بھی تتلی کے نوچ ڈالے ہیں

دیکھ کر دنیا کو قمر رویا
پھیکے اب چاند کے وہ ہالے ہیں

لڑکیاں اُن کو بھُول سی ہیں گئیں
چُوڑیاں، ہار اور جو بالے ہیں

کم ہیں اِنسان مکڑیاں ہیں کئی
ہر طرف پھانسنے کو جالے ہیں

رات بھر بے دھڑک جو کھلتے تھے
شام ہوتے ہی اُن پہ تالے ہیں

کبھی چٹّے تھے داستانیں تھیں
آج ہونٹوں پہ اُن کے تالے ہیں

جانے کِن ظالموں کی قید میں ہیں
وہ جو ناز و ادا کے پالے ہیں

تھے بڑھاپے میں سپنا سُکھ کا لِئے
آج ہاتھوں میں اُن کے چھالے ہیں

اُن کے اندر کا جانور نہ دِکھے
آدمی وہ جو دیکھے بھالے ہیں

●●●●

اگرچہ سب ہے.....

اگرچہ سب ہے مگر کیوں خوشی نہیں ملتی
بہار آئی ہے دل کی کلی نہیں کِھلتی
سُنا ہے حَبس کے بعد آندھیاں بھی چلتی ہیں
گھٹن ہے اتنی کہ پتی تلک نہیں ہلتی

●●●●

آج پھر آگ لگی

آج پھر آگ لگی دل کے صنم خانوں میں
کچھ بھی باقی نہ رہے آنکھ کے پیمانوں میں

ڈھونڈتی پھرتی رہی مسجد و مندر میں جسے
میں نے پایا ہے اُسے دل کے نہاں خانوں میں

زر و دولت نے بھُلا ڈالی ہیں ساری قدریں
میں نے پایا ہے خُدا زخمی سے اِنسانوں میں

گُل تُو اب بات نہ کر ہوش کی بس رہنے دے
میں نے دیکھی

خوش گپیاں خوش گفتاریاں

پہلی سی خوش گفتاریاں وہ کیا ہوئیں وہ ہیں کہاں؟
بچوں کی سی کلکاریاں وہ کیا ہوئیں وہ ہیں کہاں؟

بوجھل قدم اب ہو گئے اور چشم بھی دھندلا گئی
کل کی وہ خوش رفتاریاں وہ کیا ہوئیں وہ ہیں کہاں؟

بے مہر سے چہرے یہاں، بے رنگ سی ہے زندگی
وہ جوش کی چنگاریاں وہ کیا ہوئیں وہ ہیں کہاں؟

غم کیا ہے کیا معلوم تھا دُکھ کی چُبھن کیا چیز ہے
وہ شوخ رنگیں دھاریاں وہ کیا ہوئیں وہ ہیں کہاں؟

کل ننھے ننھے پھُول تھے سینچا اُنہیں پھر خُون سے
تھیں میری جو پھُلواریاں وہ کیا ہوئیں وہ ہیں کہاں؟

●●●●

کب چلچلاتی دھوپ کا....

کب چلچلاتی دھوپ کا شکوہ کبھی ہم نے کیا
ہم ٹھنڈی ٹھنڈی آگ میں چُپ چاپ ہی جلتے رہے

اک عمر کا تھا راستہ اور تھا سفر مُشکل بہت
لَب پر چھپی مُسکان تھی چُپ چاپ ہی چلتے رہے

میں نے سمندر سے لِیا جو درس وہ حاوی رہا
گو سطح پر تھا اک سکوں، طوفاں مگر پلتے رہے

یہ تھا کرم اللہ کا یا تھی نبیؐ کی اک نظر
طوفان اٹھتے بھی رہے اور آپ ہی ٹلتے رہے

کل تھیں یہاں پر بستیاں وہ جو گئے سب ہی گیا
تھیں کیسی پیاری ہستیاں ہم ہاتھ ہی ملتے رہے

اک دن کے بعد آیا تھا دِن اور شام سے اب رات ہے
یہ زندگانی کا سفر، دن آپ ہی ڈھلتے رہے

میں نے نہیں دیکھا کبھی کھینچا کِسی نے پیڑ کو
ہر روز یہ کھیتی بڑھی اور پھُول پھل کھلتے رہے

●●●●

یہی جھگڑا....

یہی جھگڑا ہے ہر جگہ دیکھا
یوُں ہی ہوتا ہے یوُں نہیں ہوتا

روبز دہقاں کی بیوی کہتی ہے
بیٹھا رہتا ہے کیوں نہیں بوتا؟

گرمی اتنی ہے سب ہی پگھلے ہیں
کون جوُں شمع کے نہیں روتا؟

وقت بدلے ہیں قدریں بدلی ہیں
کون اے۔سی میں اب نہیں سوتا؟

●●●●

روزوں کا دن تھا....

۲۰۰۶ کے زلزلے کے بعد

روزوں کا دن تھا وہ کوئی اُلٹی گئی جب بستیاں
جو اپنی تھیں جو پیاری تھیں گُم ہو گئیں وہ ہستیاں

وہ بے وَفا وہ سنگدل اب تک وہ ہیں محوِ ہوَس
دنیا میں کیا کچھ ہو گیا جاری ہیں اُن کی مستیاں

بکنے کو جو تھیں ہی نہیں رکھی گئیں بازار میں
مہنگی بڑی اشیاء تھیں وہ بیچی گئی ہیں سستیاں

●●●●

دِل بڑاا ہی خالی ہے

دِل میرا تو خالی ہے
دِکھتی اب تو جالی ہے

تیرے ہاتھ میں خنجر ہے
میرے ہاتھ میں تھالی ہے

دونوں ہاتھ جو مِلتے ہیں
تب بجتی یہ تالی ہے

تیری نوازش ہے ہم پر
تیرا ظرف تو عالی ہے

جب بھی کبھی ہوا آئے
جھومتی ڈالی ڈالی ہے

لوگ تو روشن کہتے ہیں
جبکہ رات تو کالی ہے

وہ ہی گُل کو کاٹ گیا
جو گلشن کا مالی ہے

●●●●

ایسے میں....

ایسے میں رُل گئی ہوں
مٹی میں گھُل گئی ہوں

مٹھی کی تھی میں صورت
ریشوں میں گھُل گئی ہوں

تنکے گراں ہیں مجھ سے
بے مول تُل گئی ہوں

••••

ایک دریا تھا.....

ایک دریا تھا دو کِنارے تھے
بہتا پانی جلے شرارے تھے

مچھلیاں اُن میں تیرتی بھی تھیں
خوف سے ڈر کے بھاگتی بھی تھیں

روشنی گر کبھی جو پڑتی تھی
بَرق ہی بَن کے وہ بھی رہتی تھی

پھُول کھِلتے نہیں ہیں گلشن میں
باغباں اُن سے گر نہ پیار کرے

دو مخالِف خیال مِلتے ہیں
ایک سمجھوتہ گُل ہے پیار نہیں

●●●●

ساجن

تو کیا وَفا کردوں

کبھی بھی پیش حضوری نہ لب کُشائی کی
جو اَب گلی سے ہوں گُزرا تو اک صدا کر دوں

کیوں تیری آنکھ میں بُجھتے چراغ کا ہے دُھواں
کوئی بھی دُکھ نہ رہے زندگی دُعا کر دوں

تُو مضطرب سا دِکھا ہے تو کیا میرے باعث
جو حکم تیرا ہو جیون کو اک سزا کر دوں

تمہاری آنکھ کے آنسو سے پہلے میں نہ رہوں
یہ عہد تجھ سے کِیا ہے تو کیا وفا کر دوں؟

●●●●

پیار ہوتا ہے یا....

تیرے آنے کی کیا خُوشی کوئی
تیرے جانے کا غم نہیں ہوتا

پیار ہوتا ہے یا نہیں ہوتا
کبھی زیادہ یا کم نہیں ہوتا

آنسو بہتے ہیں یا نہیں بہتے
پَل میں تر پَل میں نم نہیں ہوتا

میرے ہونے کا اعتراف کرو
صرف لفظوں میں دَم نہیں ہوتا

ساتھ چلدیں تو ساتھ ہوتا ہے
صرف کہنے سے 'ہم' نہیں ہوتا

●●●●

دور جاتے ہو تو جاؤ

دُور جاتے ہو تو جاؤ اب ہمیں بھی غم نہیں
دل تڑپ کر تھم گیا ہے اب رہے وہ ہم نہیں

ہر ستم توڑا ہے اُس نے اور ستایا لاکھ بار
ٹوٹ کر وہ رہ گیا ہے، صبر میرا کم نہیں

جب تلک ہے حُکم اُس کا مجھ پہ آئے گی نہ آنچ
شمع میری جل رہی ہے آندھیوں میں دم نہیں

ہم جئے ہیں اس جہاں میں بِن تیرے ہے معجزہ
ربّ عالم کا کرم ہے، حادثے تو کم نہیں

فتح تیری ظلم کے آگے زباں بندی نہیں
سر جھکانا تیرے بس میں، دل تو میرا خم نہیں

● ● ● ●

آجاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

میری مثال ہے مشرق کی اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آب گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

آجاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

میری مثال ہے مشرق کی اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آب گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

آجاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

میری مثال ہے مشرق کی اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آب گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

آجاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

میری مثال ہے مشرق کی تیری اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آب گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

آجاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جِس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

میری مثال ہے مشرق کی اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جِس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آبِ گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

آجاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

تیری
میری مثال ہے مشرق کی اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آب گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

آ جاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

میری مثال ہے مشرق کی اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آبِ گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

آجاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

میری مثال ہے مشرق کی اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آب گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

آ جاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

میری مثال ہے مشرق کی اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آب گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

آجاؤ.....

میں ڈوبنے کے قریب آ گئی ہوں آ جاؤ
کہ تھام لو مجھے آ کر بہا نہیں جاتا

یہ درد کیسا ہے جس کا کوئی بھی نام نہیں
سمجھنا تجھ کو ہے مجھ سے کہا نہیں جاتا

میری مثال ہے مشرق کی اور مغرب کی
کبھی تو سانجھی شفق ہو، رہا نہیں جاتا

میں منتظر ہوں سویرے کی جس میں تاباں مہر
وہ صبحِ نو کے اُجالے دکھا نہیں جاتا

جہاں پہ گِل سے ملے آب گُل یہ ہوتا ہے
شناخت اپنی بنا کر رہا نہیں جاتا

ایک کہانی

کیوں بھلا شاخ پہ رہے گا گُل
ہم اُسے زلفوں میں سجائیں گے

میرے ہاتھوں پہ مہندیاں جو رچیں
ہم تمہیں لاج سے دکھائیں گے

ہاتھ میں ہاتھ آ گیا جس دم
عہد جی جان سے نبھائیں گے

وہ گھڑی آخری میری ہو گی
تمکو جس وقت ہم بھلائیں گے

تیری اک چُپ سے میرا دل بھی بجھے
تجھے ہنسنا ہے ہم ہنسائیں گے

خفا ہونا ہو گر تو ہو لینا
لاکھ حِیلوں سے ہم منائیں گے

اپنی جو سطح سے گرو گے تُم
عزّتِ نفس سے اُٹھائیں گے

تیرے ہاتھوں سے زخم آیا تو
دیپ روشن کئی جلائیں گے

تم کبھی راستہ جو بھُولو گے
دل کو قندیل ہم بنائیں گے

کیوں بھلا شاخ پہ رہے گا گُل
وہ اُسے قبر پر سجائیں گے

●●●●

جو تُو نے کہہ ہی دیا.....

جو تُو نے کہہ ہی دیا تھا تو ہاں بُری ہوں گی
کہ تیرے کہنے پہ تجھ سے نہ میں لڑی ہوں گی

عجیب بات تیرے لفظوں میں نہیں طاقت
تیرے گِرانے سے کچھ اور بھی کھڑی ہوں گی

تمہارے سنگ بھی اب پھُول بن کے لگتے ہیں
بہت ہی بھاری تھے لمحے کبھی مری ہوں گی

سُنا ہے چوب نہ آہن کو ڈوبنے دے گی
یہی سبب ہے تلاطم میں بھی تَری ہوں گی

جو تیرے منہ نے تھے اُگلے اگرچہ شعلے تھے
جلوں گی کیوں یہ بتا صبر سے ہری ہوں گی

تمہارے جبر نے گھائل کِیا تھا من میرا
ہزار چاہا جو تُو نے نہ میں مری ہوں گی

ہزار رستے بدل کر بھی دیکھ لے ظالم
ہر ایک رستے میں تیرے لئے کھڑی ہوں گی

بہت تھی آندھی میں تیزی بگُولے طوفاں تھے
نہ آئی پاؤں میں لرزش کہ گُل جری ہوں گی

●●●●

بک نمبر ۲ -
شیریں گل رانا

جو وصلِ یار کی راحت.....

جو وصلِ یار کی راحت کا ہو خیال تمہیں
تو سب سے پہلے تمہیں خود کو مارنا ہو گا
بہت کٹھن ہے محبت کا جیتنا اے گُل
جو جیتنا ہے تو دانستہ ہارنا ہو گا

••••

یہی سوچ کے.....

تھی ایک بار تیری آنکھ میں نمی دیکھی
یہی تو سوچ کے خود کو رُلا دیا میں نے

مجھے تو جینا ہے اک پہیے کی طرح سے بَس
یہی تو سوچ کے خُود کو بھُلا دیا میں نے

نہ ہے مشین کے پہلو میں دل نہ ہے احساس
یہی تو سوچ کے خُود کو سُلا دیا میں نے

سُنا ہے ناز تمہیں اپنے فیصلوں پہ ہے
یہی تو سوچ کے رسہ ہلا دیا میں نے

سُنا ہے گل سے تمہاری کبھی نہیں بنتی
تو خود ہی خاک میں گل کو مِلا دیا میں نے

....

میں تارا بن کے چمکتی تھی آسمانوں پہ
گِرا کے آگ میں ایندھن بنا دیا تُو نے

●●●●

تضاد

ہم گھٹاؤں کی بات کرتے ہیں
تم خزاؤں کی بات کرتے ہو

ہم وفاؤں کی بات کرتے ہیں
تم جفاؤں کی بات کرتے ہو

ہم رداؤں کی بات کرتے ہیں
تم اداؤں کی بات کرتے ہو

ہم عطاؤں کی بات کرتے ہیں
تم خطاؤں کی بات کرتے ہو

ہم دُعاؤں کی بات کرتے ہیں
تم بلاؤں کی بات کرتے ہو

میرا ایمان ہے خُدا ہے ایک
تم خُداؤں کی بات کرتے ہو

●●●●

کیوں تیرے قہر و غضب کا شکار دل یہ ہوا
خُوشی بھی سہمے وہ آنگن بنا دیا تُو نے

سوچا جِسے صدیوں تلک....

سوچا جِسے صدیوں تلک ہونٹوں پہ جو جمتی رہی
اک بات کہنا تھی تجھے وہ کہتے کہتے کہہ گئی

اک آن میں آیا بھنور، کشتی پھنسی گرداب میں
کچھ بھی نہیں آخر ہوا اور بہتے بہتے بہہ گئی

کِس سے کروں شِکوہ یہاں کیونکر کروں آہ و فغاں
جتنے سِتم مجھ پر ہوئے وہ سہتے سہتے سہہ گئی

رستہ بھی اک منزل بھی اک، کہنے کو وہ تھے ہم سفر
اک اجنبیّت درمیاں وہ رہتے رہتے رہ گئی

شمع کو بجھاؤ نہ.....

نہیں بتانا جو مجھ کو تو پھر بتاؤ نہ
میں جانتی ہوں تمہیں، مجھ کو یوں بناؤ نہ

میں دھیرے دھیرے سلگنے کی ہو گئی عادی
لگا کے آگ یُوں چندن ابھی جلاؤ نہ

یہ ہو تو سکتا ہے تم کو کبھی ضرورت ہو
کہ ایک پھُونک سے اِس شمع کو بجھاؤ نہ

●●●●

کیوں میرے آنے سے....

کیوں میرے آنے سے تکلیف بڑھ گئی تیری
جو لکھی چہرے پہ، تحریر پڑھ گئی تیری

میں اُس کے پیار کو اپنے لئے وفا سمجھی
وہ ایک چال کہ لوہے میں مڑھ گئی تیری

میں موم کی طرح قطروں میں پھر پگھل سی گئی
وہ ایسی نظر کہ چہرے پہ گڑھ گئی تیری

جو منہ میں آیا وہ کہتا رہا میں سنتی رہی
کہ گُل کی گڈی کٹی اور چڑھ گئی تیری

••••

انتظار نہ کرنا....

چلے ہی جائیں کبھی انتظار مت کرنا
ہماری یاد میں دل بیقرار مت کرنا

تمہاری آنکھ میں دیکھا ہے ایک صحرا سا
قسم مری ہے اِسے اَشکبار مت کرنا

وہ ذات جس نے سدا تم سے ہی وفا کی ہے
اُٹھا کے سنگ اُسے سنگسار مت کرنا

●●●●

جو میں نے تم کو بھُلایا.....

جو میں نے تم کو بھُلایا تو کیا کِیا میں نے
تمہیں جو میں نے رُلایا تو کیا کِیا میں نے

تُو میرے جسم میں بستا تھا میری جاں کی طرح
تجھے جو دل سے ہٹایا تو کیا کِیا میں نے

تُو میرے نام سے اِس طرح سے جُڑا تھا کل
تجھے جو میں نے مٹایا تو کیا کِیا میں نے

تُو میرے سامنے رہتا تھا آئینے کی طرح
تجھے جو میں نے بٹایا تو کیا کِیا میں نے

جو زہر تم نے بخشا.....

جو زہر تم نے بخشا ہم نے وہ پی لِیا ہے
گھبرا نہ تُو اے ظالم یہ کام بھی کِیا ہے

میری تو یہ وفا تھی تجھ کو نہ غم ستائے
آنکھوں سے تیری آنسو چُپ چاپ لے لِیا ہے

کہنے کو یہ تھا جیون ہنسنا کہیں کہیں تھا
قیدِ قفس ہے کاٹی بس نام کا جِیا ہے

ہستی کے ٹکڑے کر کے ہم مُسکرا کے روئے
تجھ کو ہو کامرانی خود کو فنا کِیا ہے

●●●●

حیرانگی تیری آنکھوں میں....

میرانگی تیری آنکھوں میں ہے سوال بنی
کہ بے کمالی ہی میری تو ہے کمال بنی

حوادثات کے نام و نشاں نہیں منہ پر
کہ اطمینانِ قلب وجۂ جمال بنی

ہر ایک چیز میں تیری جھلک ہی دِکھتی ہے
یہ زندگی تیرے باعث تو ہے خیال بنی

جو تیرے واسطے خُود کو فنا کروں اے گُل
تو سچ ہی ہو گا کہ یہ زندگی حلال بنی

●●●●

اَب کے ساون....

اب کے ساون میرا ہو گا
ساتھ پھوار میں تیرا ہو گا

کیسا وقت سہانا ہو گا
خُوشیوں کا جب ڈیرا ہو گا

ٹپ ٹپ رم جھم کے سُر ہونگے
ٹھنڈی ہوا کا پھیرا ہو گا

●●●●

تیرے آنے کی.....

تیرے آنے کی ہو خوشی کیونکر
تیرے جانے کا غم نہیں ہوتا

ایک کے بعد دوسرا ڈھوؤں
بوجھ اپنا تو کم نہیں ہوتا

تم جیو اپنا میں جیوں اپنا
یوں کوئی دم میں دم نہیں ہوتا

ایک دھرتی ہو دوسرا آکاش
دوریوں میں تو 'ہم' نہیں ہوتا

سوکھے سے جب دراڑیں بن جائیں
چند قطروں سے نم نہیں ہوتا

مجھے تم سے پیار تھا کل....

مجھے تم سے پیار تھا کل اب جان لو نہیں ہے
تمہیں بھی نہیں محبت یہی مان لو نہیں ہے

تم نے ہے توڑا ایسے ٹکڑے کیئے ہیں میرے
اِتنا تو جانا ہوتا کوئی نان تو نہیں ہے

تھیں دِل کے ساتھ خُوشیاں، خُوشیوں کے ساتھ محفل
ہے جسم اب بھی باقی ہاں جان تو نہیں ہے

کھودا ہے تم نے ایسے دل تک ہیں زخم گہرے
اتنا ہی مان لیتے کوئی کان تو نہیں ہے

اک وقت بھی تھا ایسا جب حکمراں تمہی تھے
ماضی ہی رہ گیا ہے اب شان تو نہیں ہے

یہ جان بھی ہے اُس کی اور سانس بھی اُسی کا
تیرا بتاہے کیا گُل کوئی مان تو نہیں ہے

●●●●

دِل کے دریا سے....

دل کے ارمان جو سُلا کے گیا
اک تلاطم ہی وہ مچا کے گیا

ایک لمحے کو ہی ہنسی تھی بَس
دریا دریا ہی وہ رُلا کے گیا

میرے آنسو وہ دیکھ کر بولا
تیرا رونا مجھے ہنسا کے گیا

خواب دیکھا تو یُوں لگا مجھ کو
وہ تھا آیا مجھے مَنا کے گیا

ہر سِتم پر لہو ہوا دل کا
بھَر کے جی وہ مجھے ستا کے گیا

گُل کو مٹی بنا دیا اُس نے
وہ ہے بے رحم یہ جِتا کے گیا

●●●●

☆

وہی دن کبھی تھے بہار کے
تیرے میرے قول و قرار کے

وہ ہوا کے سنگ ہی اُڑ گئے
وہ جو گُل تھے سوکھے، مزار کے

تمھیں گِلہ ہے....

تمھیں گِلہ ہے کہ اب پیار کیوں نہیں کرتے
ہو تم پریشاں کہ ہم تم پہ کیوں نہیں مرتے

یہ بات دل کی، یہاں جبر تو نہیں چلتا
سِتم یُوں دل پہ ہوئے آہ! یوں نہیں بھرتے

کِیا تھا پیار تمھیں بھی کبھی حقیقت ہے
کہ پیار ہوتا ہے گُل دل کو یُوں نہیں ہرتے

تمہیں میں....

تمہیں میں یاد ہی کر سکتی تھی کِیا میں نے
تمہارے بِن مجھے جینا تھا ہاں جِیا میں نے

برابری کی ہی بنیاد پہ مراسم ہوں
جو بھیک میں تھا مِلا پیار کب لِیا میں نے؟

جو بیگناہی کا دینا تھا گلؔ ثبوت مجھے
تو زہر ہاتھوں سے ہنس کے ہی خود پیا میں نے

سنا تھا.....

وہ ایک لفظ ترے واسطے جو اُترا تھا
نوید ہو کہ وہ آخر مٹا دیا میں نے

سُنا ہے اگلے جہاں دھن کا کوئی کام نہیں
یہی تو سوچ کے سب کچھ لٹا دیا میں نے

میں جانتی ہوں کہ یہ زندگی بِتانی ہے
سو اپنی عمر کا عرصہ گھٹا دیا میں نے

سُنا تھا آنکھوں میں تیرِی بہت کھٹکتے ہیں
تیرے خیال کا دیپک بجھا دیا میں نے

●●●●

یہ بھی حسرت رہی.....

ساتھ میرے کبھی وہ آ جاتے
ہم کٹھن راستے نہ اپناتے

یُوں تو باتوں میں زندگی گزری
دل دھڑکتا اگر وہ فرماتے

ابر ہو کر بھی وہ نہیں برسے
کم نہ تھا آب گر وہ برساتے

یہ بھی حسرت رہی کبھی تو گُل
تو جو ضِد کرتا ہم بھی اَڑ جاتے

●●●●

جلا ہوا دل.....

جلا ہوا میرا دل ہے تجھے کیوں دِکھلاؤں
بھڑکتی آگ کے شعلوں پہ اَشک برساؤں

تُو میری عمر بھی لے لے کہ جینا چاہتا ہے
نہیں ہے شوق مجھے عمر کو میں پھیلاؤں

دُعا مری ہے بہاروں کا ساتھ ہو پیہم
تمہیں کیا اِس کی ہے پرواہ خزاں سے مرجھاؤں

تمہیں تو غرض ہے خود سے، نہ دوسروں سے ہے
کھلے کھلے نہ کِھلے گُل بلا سے کمھلاؤں

●●●●

برابری کی محبت

برابری کی محبت برابری ہو گی
وفا جو ایک نبھائے یہی تو اُلفت ہے

تمہاری آنکھ کے آنسو کہاں گوارا مجھے
کہ سنگ سے بہے پانی یہی تو بِدعت ہے

ستم جو غیر یہ کرتے تو تھا گلہ مجھ کو
جو تیرے ہاتھوں سِتم ہیں یہی تو رفعت ہے

نہ اعترافِ ندامت سے خود کو چھوٹا کر
سمجھ لیا ہے یہ گُل نے یہی تو قسمت ہے

●●●●

کبھی جو آؤں....

کبھی جو آؤں تو خود کو سنوار لینا تُم
حیا کی لالی سے خُود کو نِکھار لینا تُم

خدانخواستہ مُشکل اگر کوئی آئے
تو دِل میں چپکے سے مجھ کو پکار لینا تُم

میں کھِلکھلا کے تمہیں دیکھ کے ہنسوں گی جب
تو میرے واسطے غم بے شمار لینا تُم

●●●●

جو تم کہو.....

جو تم کہو گے تو پھر لوٹ کے نہ آئیں گے
قسم خدا کی تمہارے جہاں سے جائیں گے

یہ دوستی کا اثر ہے یا دشمنی کی چُبھن
یہ وعدہ میرا تمہیں بھُولنے نہ پائیں گے

تیرے اشارے پہ گُل یہ نہیں ہے ناممکن
چمکتا چاند چُرا کے فلک سے لائیں گے

مجھ کو نہیں بتایا ہے

تُو نے مجھ کو نہیں بتایا ہے
وقت کیسے وہاں بِتایا ہے

فرش پر پھُول جو پڑے تھے کل
ٹہنیوں پہ اُنھیں سجایا ہے

کِس قدر بھُولنے کی کوشِش ہے
دریا اُلٹا ہی تو بہایا ہے

تیری راہوں سے ہٹ گئے خود ہی
تلخیوں سے تمھیں بچایا ہے

روگ اک پیار کا لگا کے گُل
ہم نے اِس عمر کو گھٹایا ہے

کیوں تم آئے ہو آج

کیوں تم آئے ہو آج ہی ملنے
کاش! ہم کل ملے ہوئے ہوتے

سب قبائیں ہیں تار تار یہاں
چاک داماں سِلے ہوئے ہوتے

باہمی رابطہ جو رہتا گر
دُور شکوے گِلے ہوئے ہوتے

باغباں آب سنگ دیتا جاں
کانٹوں میں گُل کھلے ہوئے ہوتے

پتھر میں دِل نہیں ہے

تری بے وفائیوں پر
تری کج ادائیوں پر
تری خود فریبیوں پر
تری سرد مہریوں پر

میں بلک بلک کے روئی
میں بلک بلک کے روئی

ترے کان بھی نہیں ہیں
تری آنکھ بھی نہیں ہے
ترا دل بھی تو نہیں ہے
ترا ظرف بھی نہیں ہے

تو ہے بس ایک پتھر
پتھر میں دل نہیں ہے

گزر ہی گئی....

وہ ایک دن جو تیرے ساتھ تھا، گزر ہی گیا
وہ ایک رات تیرے ساتھ تھی، گزر ہی گئی

نہ دوستانہ تکلّم نہ دوستانہ فضا
کبھی جو بات تیرے ساتھ تھی، گزر ہی گئی

تھا سب سے اُونچا میرا نام فتح یابوں میں
کبھی جو مات تیرے ساتھ تھی، گزر ہی گئی

ہمیشہ چاہا یہ تُو نے کہ میں جیوں گُل بن
کبھی جو ذات تیرے ساتھ تھی، گزر ہی گئی

تیری آنکھوں میں....

تیری آنکھوں میں اُبھری ہے پہچان
کیوں یہ آخر مجال کرتے ہو

ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھے ہو
تم تو گویا کمال کرتے ہو

بجلیاں کوند کوند پڑتی ہیں
کیوں نمودِ جمال کرتے ہو؟

مجھ کو تم پہلے حال پر رکھو
کیوں میرا تم خیال کرتے ہو

ہاتھ میرا پکڑ لیا تُم نے
خشک کھیتی نہال کرتے ہو

اپنی کہدو جو دِل کے اندر ہے
کیوں مرا تم سوال کرتے ہو؟

●●●●

ہے اعتراف کہ مجھ میں کوئی ہنر ہی نہیں
ہے روشنی تو اُسی کی وجہ سے ہوں روشن

آزاد نظمیں

ڈی پی۔ ایس کے نام

پر تجھے بھُولنا ہے ناممکن

دیپ پانی سے جلا کر دیکھا
پنچھی پانی میں اُڑا کر دیکھا
برف سے شُعلہ بنا کر دیکھا
پھُول صحرا میں کِھلا کر دیکھا
دل کو سینے سے ہٹا کر دیکھا
رات کو دن بھی بنا کر دیکھا
وقت کو اُلٹا چلا کر دیکھا
آنکھ میں آنسو جما کر دیکھا
پھُول بھٹی میں کِھلا کر دیکھا
آگ کو برف بنا کر دیکھا
جیت کو ہار بنا کر دیکھا
ہار کو جیت بنا کر دیکھا

زخموں کو اپنے ہنسا کر دیکھا
باد کو موج بنا کر دیکھا
تجھ کو تجھ سے ہی چھپا کر دیکھا
اس طرح تیرا بھلا کر دیکھا

بھید یہ جانا کہ ہے کیا ممکن
پر تجھے بھُولنا ہے نامُمکن

●●●●

یہ سلسلہ ہے موت کا

نثری نظم

کوئی نفرتوں سے مر گیا
کوئی پیار سُولی چڑھ گیا
کوئی جیت کے ہے ہَر گیا
کوئی ہار کے ہی مر گیا
کوئی بھُوک سے ہے مر گیا
کوئی پیتا پیتا مر گیا
کوئی قتل ہو کے مر گیا
کوئی ڈر گیا اور مر گیا
کوئی حادثے میں مر گیا
کوئی زخم کھا کے مر گیا
کوئی ڈوب کے ہے مر گیا

کوئی پیاس سے ہے مر گیا
کوئی چھت سے گِر کر مر گیا
کوئی پانیوں سے مر گیا
کوئی خُشکیوں سے مر گیا
کوئی گولیوں سے مر گیا
کوئی بولیوں سے مر گیا
کوئی خودکشی سے مر گیا
کوئی غیرتوں سے مر گیا
بیمار ہو کے چل بسا
کوئی ہارٹ فیل سے مر گیا

یہ بات اتنی سی تو ہے
جو آیا ہے وہ جائے گا
مرنے کا کچھ بھی ہو سبب
یہ سلسلہ ہے موت کا

●●●●

اِنسان مگر یہ بھی تو ہیں

نثری نظم

میرے گھر سے آگے پلاٹ تھا
جب ماہ شروع ہوا جون کا
تو گھر وہاں بننے لگا
مزدور تھے کئی مستری
پر اک کے سنگ تھی فیملی
بیوی بھی تھی بچے تھے چار
اک بچہ تھا پانچ ماہ کا
ننھا سا گُل مرجھایا سا
دو بچیاں چار پانچ کی
جو سنبھالتی تھیں بھائی کو
اک لڑکا تھا نو سال کا

وہ ماں کے سنگ ڈھوتا تھا بوجھ
حیراں ہوئی یہ دیکھ کر
سر پر نہیں تھی چھت وہاں
بانسوں پہ چادر ڈال کر
خوش ہو گئے کہ گھر بنا
رستے کنارے اینٹیں تھیں
وہاں چارپائی کھڑی جو کی
اُن کا کچن سا بن گیا
یُوں زندگی چلتی رہی
یُوں کام پھر چلتا رہا
اچھے ہیں گر کھربوں نہیں
لاکھوں سے تو اچھے ہیں ہم
ہے نعمتوں سنگ اپنی چھت
یہ لوگ بھی کیا لوگ ہیں
اوروں کے گھر دیتے بنا
پر اپنا گھر کوئی نہیں
سڑکوں پہ ہے یہ زندگی
انساں مگر یہ بھی تو ہیں
اور جینے کا حق اِن کو ہے

●●●●

زندگی سیجِ گل نہیں ہوتی

نثری نظم

وہ مہینہ مئی کا تھا امسال
اور پھر حبس بھی تھا ایسا کمال
ایک جگہ پہ مجھ کو پڑا جانا
لوڈ شیڈنگ کا وہ زمانہ تھا
ہر کوئی بھیگ ہی رہا تھا واں
قطرے بنتے تھے اور بہتے تھے
چوٹیوں سے پسینہ بہتا تھا
کپڑے ایسے تھے گو کہ دھوئے ہیں
بنا نچڑے ہوئے ہی پہنے ہیں
بازوؤں سے قطرے تھے ٹپ ٹپ
بس تھا شور کا
الاماں الاماں

گرمی گرمی ہی چیختے تھے وہاں
واپڈا کو بھی چند کوستے تھے
ملکی لیڈر کہاں پہ چھوڑے گئے
بہت کے بخیے بھی اُدھیڑے گئے
بچے منہ کھولے بِلبلاتے تھے
کہیں جانے کی راہ نہ پاتے تھے
کِس لئے آئے تھے وہ بھُول گئے
سوچا کیا یہ بھی دیکھنا تھا مجھے
میرے قائد کا خواب ایسا تھا
وہ پسینہ ابھی رُکا تھا کہیں
شرم سے اور بہہ گیا اک دم
اِس زمیں سے آکاش کو دیکھا
دوسرے لمحے میں زمیں دیکھی
رونگٹے میرے تو کھڑے ہو گئے
خیال جب گور کا مجھے آیا
جب اندھیرا گھٹن بڑی ہو گی
نارِ دوزخ کا کچھ گمان نہیں
ڈر کے مارے سہم گئی اک دم
اور اک کپکپی سی طاری ہوئی

لوگ بولے کہ ہو گیا ہے بخار
سچ میں جانوں کہ کیا ہوا مجھ کو
ایک اُس کے کرم کا سایہ ہو
زندگی سیجِ گُل نہیں ہوتی

●●●●

ہاتھوں میں مگ ہے آگیا

نثری نظم

پہلے کی تو یہ بات ہے
تبھی چاہتا تھا دل میرا
کوئی ایسا ہو اپنا کہوں
سب کچھ کہوں سب کچھ سُنے
جو اُداس ہُوں تو اُداس ہو
اور غم میرے کو کم کرے
خُوش ہوں تو دوڑی آؤں میں
بانہیں گلے میں ڈال دوں
جب بولوں تو سُنتا رہے
جب سجوں سنوروں داد دے
میری غلطی پہ.. ڈانٹے نہ وہ
بس پیار سے سمجھائے وہ
میں بھی سمجھ ہی جاؤں گی

اور سر کو اپنے جھکاؤں گی
رشتہ وہ ایسا جوڑ
تنہائی کو وہ توڑ دے
تنہا نہ کپ لے کے پھروں
تنہا نہ بادل دیکھوں میں
تنہا نہ باراں میں بھیگوں
تنہا نہ پھولوں میں پھروں
دل میں محبت کا بحر
اور ہو تصوّر سر بہ سر
سب کچھ ہو اُس کے پاس بھی
اُڑتی پھروں گھوموں پھروں
وہ ہے مگر وہ ہے یہاں
کھویا ہوا ہے وہ کہاں
ہیں حقیقتیں اپنی جگہ اور خواب ہیں اپنی جگہ
ہاں کچھ لگا بدلا ہوا
ہاں تھوڑا سا بدلا تو ہے
اب ہاتھوں میں مگ آ گیا
میں گھومتی ہوں اب بھی ہاں
تنہا یہاں تنہا وہاں

●●●●

پتھر اور پھُول

آزاد نظم

اک پھُول صحرا میں کھِلا
حدِ نظر تک ریت تھی
چاہا کِسی سے بات ہو
اُلفت کوئی اُس سے کرے
تعریف اُس کے حُسن کی
سُن کر ذرا سا خوش ہی ہو
یہ سوچ کر ڈالی نگاہ
حدِ نظر تک کچھ نہ تھا
بس ایک پتھر ہی مِلا
جو پاس تھا اُس پھُول کے
یہ سوچ کر آگے بڑھا

پتھر کے مَس سے سر پھٹا
اور خُون سے چہرہ رنگا
وہ خوف سے پیچھے ہٹا
اور درد سے روتا رہا
وہ ڈر گیا اور مر گیا
اُس ریت میں ہی سڑ گیا
پتھر نے دیکھا یہ سماں
ایک قہقہہ تھا زور سے
پھَن یُوں اُٹھایا شور سے
کہتا تھا وہ یہ بار بار
کب دنیا میں چاہت بنی
یہ زہر اور نفرت بنی
میرا طریقہ ہے یہی
میرا وطیرہ ہے یہی
میں سنگ سے ماروں اُسے
جو پیار مانگے گا کبھی

●●●●

اِس دور کے بچے

اِس دور کے بچوں میں عجب بات ہے دیکھی
غیروں کے وہ ہاتھوں کو پکڑ لیتے ہیں جلدی
پر اپنے ہی ماں باپ کی باری نہیں آتی
سنتے ہیں اگر بات توجہ نہیں دیتے
پھر بعد میں کہتے ہیں "سنا میں نے نہیں ہے"
یا ایسا کہیں گے کہ کہا آپ نے کب ہے؟
حق کو جنہیں کرنا تھا ادا وہ نہیں کرتے
دم جن کو تھا بھرنا وہ کہاں اِس کو ہیں بھرتے
اپنے ماں باپ کو دیکھے جو بڑا خوش ہو کر
حج مبرور کا پاتا ہے اجر اللہ سے
یہ تو وہ بات ہے جو میرے محمدؐ نے کہی ہے
تھی تو آسان مگر ہو گئی مشکل اب تو

بچوں کا ظرف نہیں ہے کہ وہ اتنا کہہ دیں
شکریہ! آپ نے اتنا ہے جو احسان کِیا
وہ سمجھ لیتے ہیں ماں باپ کو ایسی چیزیں
جو فراہم کریں ہر چیز ضرورت کی اُنہیں
بدلے میں کچھ نہ کہیں اور نہ مانگیں اُن سے
وہ مشینیں جنہیں رُکنے کی اجازت بھی نہیں
وقت کا پہیہ رواں رہتا ہے اِس طور سے ہی
وہ گزر جاتے ہیں اس دور سے اُس دور سے بھی
کان ہو جاتے ہیں بہرے تو قدم رکتے ہیں
آنکھیں دھندلاتی ہیں جیسے تو بدن جھُکتے ہیں
بھنویں اِس طور سے آنکھوں پہ جھکی جاتی ہیں
بوڑھے برگد کی گھنی چھاؤں کی صُورت گہری
کب جوانی ہوئی رخصت یہ خبر ہوتی نہیں
کالے بالوں میں ہے چاندی یہ خبر ہوتی نہیں
اب ہوا وقت کہ احساس کریں وہ بچے
اب وہ خدمت کریں اُن کی کہ اگر ہیں سچے
پر حقیقت کو یونہی دیکھا ہے اکثر میں نے
وہ گنوا دیتے ہیں ماں باپ بنا کچھ سوچے
جِس طرح ریت گراتے ہیں کھُلی مٹھی سے

اور کیا کھو وہ رہے ہیں نہیں ہے اس کی خبر
میں نے دیکھا ہے بہت پاس سے اُن لوگوں کو
اپنوں کے ہوتے ہوئے غیروں میں وہ دِکھتے ہیں
اُن کے چہروں میں چھپی ایسی تھکن دِکھتی ہے
اُن کے دل کو بھی کوئی ایسی چُبھن چُبھتی ہے
اِس طرح گھر میں وہ بیٹھے ہوئے لگتے ہیں مجھے
جِس طرح ایک مسافر ہو سفر کو تیار

●●●●

وقت نہیں.....

نثر لکھتی ہوں شعر کہتی ہوں
اور اسکول میں پڑھاتی ہوں
خود بھی اکثر میں پڑھتی رہتی ہوں
گھر سجاتی ہوں چیزیں لاتی ہوں
کپڑے سیتی ہوں، اَن پکاتی ہوں
ہے نمازیں قرآن روزہ بھی
آنا جانا لگا بھی رہتا ہے
اور بھی کام ہیں ہزاروں ہی
کھپ جو جاتی ہوں تھک میں جاتی ہوں
تھک کے آخر میں سو ہی جاتی ہوں
اور ذرا.... سنو سنو

مجھے اک بات تم سے کہنی ہے
اب تمہیں سوچنے کا وقت نہیں

●●●●

☆

میرے دل میں جو کبھی تم بھی سمائے ہوتے
جان میری تجھے ہم جان بنائے ہوتے

وہ زمانہ.....

یاد اُس وقت کو میں کرتی ہوں
اپنی مرضی کے کام کرتی تھی
وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا
کم حقیقت بہت فسانہ تھا
بوجھ کم تھا فقط تھی بے فکری
کچھ شٹاپو تھا اور تھی کِکلی
گیند بلا، چھپن چُھپائی تھی
کبھی ٹینس کبھی لڑائی تھی
بھائی گڈی کو چھین لیتا تو
کان اُس کے مروڑ دیتی میں
اک رسالے کو چھیننے کے لئے
پیچھے بہنا کے دوڑتی تھی میں

باتیں اسکول کی سناتی تھی
سنگ امی کے ہنستی گاتی تھی
'کمپیٹشن' میں جب بھی جاتی تھی
ماں کو پھر منتظر میں پاتی تھی
جیت کر جب کہیں سے آتی تھی
ماتھا میرا وہ چُوم لیتی تھی

میرے ابو نے لاڈ لڈوائے
میرے بابا نے عیش کروائے
اپنے کمرے میں راج کرتی تھی
لیٹ کر میں کتاب پڑھتی تھی

دن بھی وہ کتنے پیارے پیارے تھے
مشغلے کتنے اپنے نیارے تھے
اب نگاہوں کی کھڑکیوں سے پرے
دھندلے دھندلے سے نقش سارے ہیں

●●●●

کشمیر کی بیٹی

آزاد نظم

۵رفروری ۲۰۰۷ یومِ کشمیر پر ڈی۔پی۔ایس آڈیٹوریم میں پڑھی

میں اُس کشمیر کی بیٹی ہوں
ہاں جس میں جھیلیں بہتی ہیں
پریاں بھی وہاں پر آتی ہیں
میں اُس کشمیر کی بیٹی ہوں

پربت جس کے چاندی سے بنے
اور کھیت اُگلتے سونا ہیں
پنچھی بھی وہاں پر چہکتے ہیں
پھل بھی تو وہاں پر پکتے ہیں

اور پھول وہاں پر مہکتے ہیں
ہیں سبزے سے میداں بھی بھرے

یہ دیکھ کے میں خوش ہوتی ہوں
یہ دیکھ کے میں خوش ہوتی ہوں

شب دیگ ہریسہ بنتا ہے
قہوے سے مہک سی اُٹھتی ہے
دھوئیں سے چھلے بنتے ہیں
شیشے کُرتوں میں لگتے ہیں
جب ٹوپی پہن کے شیشے میں
تکتی ہوں تو خوش ہوتی ہوں

میں اُس کشمیر کی بیٹی ہوں
میں اُس کشمیر کی بیٹی ہوں

یہ ایک جھلک کشمیر کی تھی
قدرت کی بنی شمشیر کی تھی
لگی نظرِ کسی بے ضمیر کی تھی

اور بخت میں اک زنجیر سی تھی
بے بس کی بنی تقدیر سی تھی
بے معنی سی تحریر کی تھی

یہ دیکھ کے میں ڈر جاتی ہوں
اور دل میرا رونے لگتا ہے

قدرت نے بنایا اِنساں کو
آزاد مگر آزاد نہیں
یہی دھرتی اُس کی دھرتی ہے
یہی دھرتی سب کی دھرتی ہے
کیوں ہم پہ ستم یہ ڈھاتے ہیں
کیوں روندتے ہم کو جاتے ہیں

یہ دیکھ کے میں ڈر جاتی ہوں
اور دل میرا رونے لگتا ہے

میں بند کروں جب آنکھوں کو
جابر فوجی ہی پھرتے ہیں

لاشے دکھتے ہیں خُوں سے بھرے
اور گلیوں میں وہ رُلتے ہیں
سپنے آنکھوں میں چُبھتے ہیں
جب دل میں شیشے کھُبتے ہیں

یہ دیکھ کے چیخ میں پڑتی ہوں
اور دل میرا رونے لگتا ہے

یہ درد کہاں میں لے جاؤں
اور امن کہاں سے لے آؤں
میں کون سے در کو کھٹکاؤں
اور منصف کِس کو لے آؤں
ہر روز مکان بھی جلتے ہیں
ہر روز مکین بھی جلتے ہیں

یہ دیکھ کے روز میں جلتی ہوں
اور دل میرا رونے لگتا ہے

گلاب

نثری نظم

کبھی بالوں میں یہ سج گیا
کبھی خود لیا کبھی مل گیا
کبھی پیار کا وہ نشاں بنا
کبھی یاد ماضی وہ بن گیا
کبھی لب گُلاب سے بن گئے
کبھی دل کھِلے سے گلاب تھے
کبھی دولہا کو پہنا دیا
کبھی دلہن پہ بھی سجا دیا
باراتیوں پہ کیا فدا
میلادوں پہ یہ سج گیا
گجروں کی صُورت ہاتھوں میں

کمروں کی رونق بن گیا
مہکے فضا میں چار سُو
دلہن کی سیج پہ سج گیا
گل قند میں بھی پڑ گیا
عرقِ گلاب وہ بن گیا
شربت میں بھی ڈالا گیا
باغوں کی رونق ہو گیا
وہ نمائشِ گل ہو گیا
وہ آرائشِ گل ہو گیا
یہی جیت کا ہے نشان بنا
یہی قبر پر ہے سج گیا

میرے اپنے یہ سنو.....

نثری نظم

میرے اپنے یہ سنو ساری عمر دوڑی ہوں
تیرے حکموں کی جو تعمیل تھی کرنا مجھ کو
تیری ناراضگی کے احساس سے میں ڈرتی تھی
میری خدمت بھی تیرے دل کو تو نہ جیت سکی
نہ ہی اِس شکل پہ آیا ہے کبھی پیار تجھے
یہی افسوس! تیرا ڈھنگ نہ میں جان سکی
یہی افسوس! تیرا رنگ نہ میں جان سکی
خود ہی ٹھٹھری رہی میں سرد سیاہ راتوں میں
خود ہی پگھلی رہی میں گرم جلے پہروں میں
میں نے برسات میں بھی خود کو بھگویا نہ کبھی
زرد پتوں کی طرح اُڑتی رہی وقت کے ساتھ
لیکن آہ! اب ہوں کھڑی موت کی دہلیز پہ آج
بسترِ مرگ ہے اور آخری کچھ سانسیں ہیں
میری آنکھوں کو بصارت کا حکم ہے معدوم

میرے کانوں کی سماعت کو حکم ہے معلوم
نبض بھی رکنے لگی اور ہے بند ہونے کو
سانس اٹکا ہے گھڑی بھر کو میرے سینے میں
ڈوبتی نبضوں میں
اور اٹکی ہوئی سانسوں میں
میری خواہش ہے یہی اور یہی ہے ارماں
میرے سینے میں نہیں اور کوئی بھی حسرت
جھوٹ ہی کہہ دو کہ تم کو تھی محبت مجھ سے
میں تیری بات کا کرلوں گی یقیں تیری قسم!
ایک دو لمحوں کو پھر غیر میں ہو جاؤں گی
تم مجھے اور تمہیں دیکھ نہ میں پاؤں گی
تم ابھی تک ہو کھڑے پاس میرے کیوں چُپ ہو؟
ڈال لو ایک نظر کرلو کوئی آخری بات
ہو سکے جاں کو میری آپ ہی رُخصت کردو
رہے افسوس اجازت نہ لی جاتے جاتے
ایک دو لمحوں میں مَیں غیر ہی ہو جاؤں گی
ٹُوٹا جو پنجرہ تو چڑیا بھی نہ رہ پائے گی
جانے کا وقت ہے جانا بھی ہے جاناں مجھ کو
اللہ حافظ میں کہوں کِس طرح جاناں تجھ کو

●●●●

اندھی نظر

نثری نظم

کجلے بھری آنکھیں تھیں وہ
شرمیلی سی نظریں تھیں وہ
وہ خواب لے کر آئی تھیں
اُن میں نہیں تھا کوئی اور
تجھ کو بسا ڈالا وہاں
گہرے تصوّر میں گھِری
آنکھیں بھی کر لیں بند جو
اِس دنیا میں اب وہ نہ تھی
آواز کو نہ سُن سکی
غصّہ جو آیا اِس قدر
تو چل پڑیں تھیں آندھیاں

سُرخ آندھیاں، لال آندھیاں
گرجے ابراولے پڑے

اور

اورلال تھیں آنکھیں یہاں
بس لال ہی رہنے لگیں
وہ جواک نظرتھی پیار کی
اُسے ریت سے دِیا تو نے بھر
اندھی ہوئی، اندھی نظر
بے نُور ہیں آنکھیں وہ اب
اُس کونظر آتے نہیں
ہاں تم نظر آتے نہیں

••••

سمجھ ہی جاؤ گے.....

عجیب بات تھی وہ تم نے جو کہی تھی کل
کہ تیری چشمِ کرم کا تو میں بھی طالب ہوں
تمہارے پیار کی مجھ کو بھی تو ضرورت ہے
یہ جان کے مجھے حیرت ہوئی بہت اے دوست!
کہ اب تلک مجھے آیا نہیں یقین اِس کا
بڑی ہی دیر ہے کر دی یہ بات کہنے میں
سماعتیں نہیں باقی یہ بات سننے کو
نگاہیں وہ بھی نہیں، جانتی تھیں جو تم کو
دریچے کھُلتے ہیں اور کھڑکھڑانے لگتے ہیں
نقوش دھندلے سے لیکن اُبھرنے لگتے ہیں
کبھی وہ آنکھ تمہیں دیکھ کے تھی جُھک جاتی
کہ میری آنکھ کے افسانے پڑھ سکو نہ تم

حیا سے گال کبھی میرے تمتماتے تھے
بے ربط سانسوں کے پھر تار بجنے لگتے تھے
کبھی جھپکتی تھی پلکوں کو بے طرح کہ بس
حیا سے کان میرے سُرخ ہوتے جاتے تھے
کبھی پکڑتے جو ہاتھوں کو تو لرزتے تھے
کہ لفظ ہونٹوں سے کچھ گرتے اور پڑتے تھے
مجھے وہ یاد ہیں اب بھی وہ دن تھے گنتی کے
مجھے وہ یاد ہیں گھڑیاں تھیں جو کہ گنتی کی
کروں میں کیا کہ وہ وقت ہی نہیں باقی
کروں میں کیا کہ چاہت رہی نہیں باقی
کہ میرے دل کی جگہ اک کباب رکھا ہے
کھُلی سی آنکھوں میں ٹوٹا سا خواب رکھا ہے
کبھی خُدا کے لئے سوچنا کہ ایسا کیوں؟
عدل سے دیکھنا تو یہ سمجھ ہی جاؤ گے
جو دیکھا عدل سے تم نے سمجھ ہی جاؤ گے

ماں کے نام

سلامِ عقیدت

ماں کی دُعا

جب سے گئی ہے تُو اے ماں
دل کی بات نہیں کرتی میں

تیری دُعائیں سنگ ہیں اب تک
بازی کہیں نہیں ہرتی میں

تیرا بخشا حوصلہ ہی ہے
فِتنوں سے نہیں ڈرتی میں

گُھٹن سے دَم جب گھٹ جاتا ہے
گھبرا کے نہیں سڑتی میں

اثر ہے تربیت کا تری
لوگوں سے نہیں لڑتی میں

اوج کی جانب جاتی ہوں
پیچھے اب نہیں ہٹتی میں

●●●●

میری ماں میری چاندنی

میری ماں میری چاندنی ہی تھی
وہ گئی جب تو مٹ گئیں خُوشیاں
وہ گئی جب تو بُجھ گئی دھرتی
اب نہیں ہوتا رات کو چندا
اب میرے دن نہیں سویرا ہے
اب کہیں برق بھی نہیں چمکے
اب کوئی جگنو بھی نہیں دمکے

••••

لرزتی رہتی ہوں

ماں کی یاد میں

لرزتی رہتی ہوں صحرا کے میں شجر کی طرح
گزرتی سانس لگے مجھ کو اک خَجر کی طرح

بڑا ہی ناز تھا مجھ کو تیری رفاقت پر
کہ خوش ہوں تارے مَعیّت میں اک قمر کی طرح

بہت وسیع تھی دنیا تو اِس کی باسی تھی
بہت ہی تنگ یہ دکھتی ہے اک نگر کی طرح

بہت ہی لاڈ سے رکھا تھا تُو نے مجھ کو ماں
سجی میں رہتی تھی نکلی ہوئی سَحَر کی طرح

میں اب بھی پوری ہی دکھتی ہوں ہاں یہی سچ ہے
ادھوری ہو گئی اب تو کِسی گھر کی طرح

بہت سی باتیں ہیں شامل جو یہ کہا گُل نے
گزار آئے ہیں جیون کو بے ثمر کی طرح

●●●●

آسرا تو ہو جائے

نذرِ مادر

ماں میری سہیلی تھی
اب بڑی اکیلی ہوں

مجھ سے باتیں کرتی تھی
دم میرا وہ بھرتی تھی

خوشیوں سے میری خوش تھی
غم پہ وہ بھی روتی تھی

تو دُعائیں دیتی تھی
میں دُعائیں لیتی تھی

وقت کب ہراتا تھا
اُڑتا ہی وہ جاتا تھا

رُک گئی ہے یہ دنیا
رُک گئی ہوں میں بھی تو

خواب میں ہی آ جاؤ
کوئی بات کہہ جاؤ

آسرا تو ہو جائے
میرا کوئی جینے کا

وہ میری ماں نہیں تھی.....

اک روز دیکھی عورت
مِلتی تھی میری ماں سے
میلاد میں گئی تھی
بیٹھی تھی وہ وہاں پر
یکبارگی نظر جو اُس پر پڑی تھی میری
کڑیاں مِلی کہاں پہ بس میں یہ جانتی تھی
آنکھیں تھیں اُس کی مانند
کچھ ناک بھی تھا ویسا
دوپٹہ اوڑھا اُس نے
وہ ماں کی ہی طرح تھا
اک دم کہا یہ دل نے یہ ماں ہی تو ہے بیٹھی
پھر عقل نے کہا کہ ماں تو یہاں نہیں ہے
پڑھ لے تو کوئی پارہ
اب کب کوئی ہے چارہ

پر کیا کروں کہ مجھ سے روکا گیا نہ خود کو
پڑھتے ہوئے بھی پارہ دل میرا پارہ پارہ
نظریں چُرا کے دیکھا
کبھی مسکرا کے دیکھا
کبھی چور آنکھ دیکھا
کبھی ظاہر اُتھا دیکھا
ہر بار وہ تھا منظر
بدلا ذرا نہ واں پر
تھی غیریت نظر میں
اور خشک تھا وہ چہرہ
بے مہر سی تھیں آنکھیں
مجھ سے تھیں بے تعلق
پہچان بھی نہیں تھی
مجھ سے غرض نہ اُس کو
میری خبر نہ اُس کو
دیکھا نہ اُس نے مجھ کو
آواز بھی نہیں دی
وہ ماں میری نہیں تھی
وہ ماں میری نہیں تھی

● ● ● ●

پنجاب رنگ

عجب تماشا....

اک دن عجب تماشا تکیا
ٹیلی فون سی اگے رکھیا

کرنل صاحب جی کہندے سن اے
بڑا ای دُکھ وے مینوں لگیا

تہاڈی بیوی ترُ گئی اَگے
تانوں کلیاں چھڈ گئی پچھے

حیرت نال سی اکھاں پھٹیاں
بار بار سی شک نل تکیاں

کہنا چاہیدا سی کہ اینج وے
نئیں توں کلا ایہو سچ اے

کی ہویا جے مر گئی بیوی
رج کے کھاؤ دیکھو ٹی۔وی

اک ناکاری شے سی او تے
کی ہویا جے ترڑ گئی رُس کے

موجاں مانوں رج کے ہن تے
کدوں دے لکیا دل نُوں گھُن تے

اک سیاپا آپے مُکیا
اے ویلا تے میں وی تکدا

رج کے نچو پاؤ دھمالاں
خوشی دے نل وی مارو چھالاں

بچیاں لئی وی آوے گی ماں
دُوجی لئی ہُن کر دیوو ہاں

●●●●

کوٹھے تے نے باندر نچدے

واجے نے تے باں باں وجدے
ہارن نے تے پاں پاں وجدے
بچے نے تے نچدے ٹپدے
بڈھے نے تے ڈگدے ٹھدے
بندے نے تے نٹھدے بجدے
اج تے لاڑے کھِڑ کھِڑ ہسدے
ٹویاں دے وچ آپے پھسدے
پیسے دی خوشبو نُوں سُنگھ کے
مچھر وانگوں آپے نچدے
کُج ہویا وے اکھ روندی وے
دل نے ساڈے اصلوں کچ دے
مینہ وریا تے بدّل

لوکی ایدھر اُودھر نسدے
چھُٹی والی رات جو آوے
والاں دے وچ تیل نے رچدے
تُوں نہ دِسدا اگ نہ دِسدی
دل دے وچ نے بھانبڑ مَچدے
نئیں پکایا کُجھ وی اونہاں
جَد وی آون ایتھوں رَجدے
ہوراں لئی سی کُرسیاں آئیاں
ہور کوئی نے اُتے سجدے
ہر ویلے شیطان دا ڈر وے
رب بچاوے تے آں بچدے
پھڑ کے لیاؤ ابا گجیا
کوٹھے تے نے باندر نچدے

●●●●

ٹپّے

بولیاں

دور کھنے چناراں دے
خط مینوں توں گھلے ہن
ہن سڑ کے اوساڑاں گے

دو پھُل نے اناراں دے
دُھپ وچ سڑ گئے آں
دن لنگ گئے بہاراں دے

گُونجاں دیاں ڈاراں نے
خصماں نُوں کھانی چاہ ڈل گئی
پے گئیاں نے جھاڑاں دے

سونے دیاں تاراں نے
چڈّی چوڑیاں گھلیّاں
پر آئیاں اٹھاراں نے

گلی لنگدیاں ناراں نے
دَند کِسے ہور لئی کڈھے
سانوں پے گئیاں ماراں نے

دو ککُّڑ ماسی داراں دے
ککُڑی بڑی مہنگی ہوئی
ہن ککُّڑو تاڑاں گے

کوٹھے ڈگ پئے کمھاراں دے
سانوں کی لگے سوہنیی
اَسی روٹیاں پاڑاں گے

موتی ٹُٹ گئے ہاراں دے
ویڑے وچ کریں حلوہ
اسی گوانڈی نوں ساڑاں گے

اگے پچھے دوکاراں نے
تُسی سارے مری او چلے
اَسّی مکھیاں ماراں گے

چٹے دودھ دیاں دھاراں نے
موٹی موٹی آوے ملائی
دُودھ چنگی طرح کاڑاں گے

درزی دیا لیراں نے
اک دو گھُٹ لسی پی لئی
جوڑاں وِچ پیڑاں نے ●●●●